

سلسلہ مطبوعاتِ صوفی نمبر ۱۰

# مذہب اور تلواری

مُصَنَّف

مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

ماخذ جملہ حقوق

صوفی پبلسٹک اینڈ پریسنگ کمپنی لمیٹڈ

پنڈی بہاؤ الدین پنجاب کے لئے

ڈاک محمد الدین صاحب منجنگ ڈائریکٹرنے

رفیق عام پریس ریلوے روڈ لاہور سے

چھپوا کر شائع کیا

قیمت فی جلد ۱۰ روپے

(بابت تمام چودھری محمد الیقین خاں پریسنگ)

مکتبہ جدید لاہور



۲۱۵۸  
۱۹۹۶

# صحیح سہ ماہی DAIA

انگلستان کی ماہر پدرازا خاتونیں فرانس کی عیش پرست لیڈیاں۔ امریکہ کی سبانی کتابی بیویاں  
آج ہماری ستورات کو کامیاب نہیں بنا سکتیں حضرت خدیجہؓ کی پاکبازی حضرت عائشہؓ کا تقہ  
فی الدین۔ حضرت زینبؓ کی کریم النفسی ہندو کی جو انہری اور حضرت اسماعیلؓ کی مستقل مزاجی اور بلند حوصلی  
کی داستانیں ہی ہماری بگڑھی قسمت کو بنا سکتی ہیں اور ہمارے بخت خفہ کو جگا سکتی ہیں مسلمانوں کی  
اہلی اور منزلی زندگی عوام ہورہی ہے۔ ہمارے گھر نہیں فرخ کے نمونے ہیں کہیں پھوٹ پھوٹ سے طوفان  
برپا ہے۔ کہیں جہالت سے ہلاکت۔ کہیں بد مزاجی کا تسلط ہے تو کہیں لائڈھی کی حکومت کہیں نکلنے  
شعور سے پھیلا رکھی ہے۔ تو کہیں فضول خرچی نے تباہی غرض بہت کہیں گھرانے ہیں جو حقیقی طور پر  
اسلامی گھرانے کے متعلق ہوں۔ ان تمام خرابیوں اور بریادیوں کا واحد علاج صحیح سیاست کا  
مطالعہ ہے۔ مسلمان ستورات ان پاکباز اور قابل تقلید خاتونوں کے حالات سے عبرت و عظمت  
حاصل کریں گی۔ ان کی زندگیاں پاکیزہ اور اخلاق بلند ہونگے اور ان کے بچے سچے مسلمان بنیں گے  
اگر ہر ایک مسلمان ماں صحیح سیاست کے اوصاف سے متصف ہو کر اپنے بچوں کی تربیت کرے  
تو ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا موجودہ اوبار و منزلت بیس سال سے زیادہ اپنی حکومت  
بھیں تباہ و برباد نہ کر سکے گا۔

اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ صحیح سیاست منگواؤ اور مسلمان بچوں اور خاتونوں کو  
پڑھاؤ۔ ۵۸ صحابی خاتونوں کے سوانح حیات اس لہریب روح پرور کتاب میں درج ہیں۔  
اس کا مصنف ہندوستان کا بہترین انشاپر از واقع نگار مولانا شیخ فخری ہے۔ مولانا مولانا کی  
سحر کیوں ادنیٰ دنیا اس وقت سے آشنا ہے جب شاہ لکھنؤ کا گاہ لہریب پرچہ نکلا اور اگر سے نکلا شروع  
اس کے بعد سے جناب نیانہ نے انشاپر از کی دھاک بٹھادی ہے۔ قیمت بلا جلد عا۔ جلد ۱۰

پبلشرز مولانا محمد رفیع صاحب  
پبلشرز مولانا محمد رفیع صاحب  
پبلشرز مولانا محمد رفیع صاحب

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ  
وَاللّٰهُ اَحْمَدُ

لَلّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ حَسْبِيْ  
اَمَّا بَعْدُ

ہندوستان میں انگریزی عملداری کی بتدیج ترقی اور بالآخر کامل اقتدار و استحکام کے بعد  
تلواروں کی خچاچ۔ بندھوں کی دناون۔ توپوں کی گرج اور گڑ گڑاہٹ کا شور کم ہوتے  
ہوتے بالکل معدوم ہو گیا۔ اور ہندوستان کا کرہ ہوائی انسانی خون کے ذرات اور باروت کے  
دخانی اجزا سے پاک صاف ہو کر ساکن نظر آنے لگا تو اس امن و سکون کے شروع اور غدا  
کے شہ کے ختم ہونے کے بعد ہی مذہبی مناظروں اور مباحثوں کی مجلسیں گرم ہونی  
شروع ہو گئیں۔ پادری فنڈر مولینا مولوی رحمت اللہ صاحب مولینا محرز قاسم صاحب  
پنڈت دیانند سرتی۔ اندر میں ہر او آبائی وغیر ہم کی آوازوں سے جو ہلکی ہلکی لہریں ہوا میں  
پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ہندوستان کے کرہ ہوائی کو اس طرح متحرک و متلاطم کیا کہ ہزاروں  
لاکھوں دلوں کے قلعے ڈھے گئے۔ دماغوں کے شیش محل مسار و چکنا چور ہو گئے ایمانو  
کے پوائنٹوں کی دیواریں مشتک اور مذہب کے جھنڈوں کے پھر پیرے تارتار ہو کر  
کوچہ گائے امواج ہوا میں گئے۔ پچاس ساٹھ سال ہو گئے اور آج تک مذہب کی دو خورد  
بنگامہ ہندوستان کے میدان میں برابر گرم ہے۔ و حقیقت یہ ہندوستان کی خوش قسمتی ہے  
یہاں دنیا کے ہر ایک مذہب اور ہر ایک ملت کا پیر اور حامی موجود ہے۔ اس جنگ  
مذہب میں ہر ایک مذہب کو چونکہ شرکت کا موقع حاصل ہے۔ لہذا مذہب کے امتحان کا  
میران ریلج مسکون میں ہندوستان کے سوا دوسرا ملک نہیں ہو سکتا تھا پس اس وقت  
مذہب کی اس جنگ پچاس سال پر تبصرہ لکھنے اور اس کے عواقب نتائج بیان کرنے

نہیں بیٹھا۔ یہ کسی دوسری وسیع فرصت کا کام ہے۔ اس وقت مجھ کو اس محاربہ مذہبی کے بعض سزاؤں کو ان کی ایک خاص غلطی یا سیفہانہ ضد کی نسبت توجہ دلانی مقصود ہے۔

اسلام پر سب سے پہلے عیسائیوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے ذریعہ ہوئی ہے مسلمانوں کی طرف سے اعتراض کا فوراً معقول جواب دیا گیا۔ اس کے بعد آریوں کے اسلام پر حملہ آوری کی جرات ہوئی۔ آریوں کے تمام اعتراضات عموماً عیسائیوں کی کالیسی کا نتیجہ ہوتے ہیں چنانچہ آریوں نے بھی اس تلوار کے اعتراض کو دہرایا مسلمانوں نے ان کو بھی جواب دیا مسلمانوں کے مسکت و معقول جواب کو سننے کے بعد انصاف و شرافت کا یہی تقاضا تھا کہ پھر یہ اعتراض زبان پر نہ لایا جاتا لیکن جذبہ مخالفت نے انصاف کے گلے پر چھری پھیری اور عداوت نے تہذیب کو زخمی کر دیا ہے کہ یہی ٹھنڈی چھری اور کند تلوار بار بار عرضہ پیکار میں لائی اور میدان کارزار میں استعمال کی جاتی ہے۔ آریوں یا عیسائیوں کا جو لیکچر ارسنہ منیر جلوہ فرما ہوتا ہے وہ مسلمانوں کے دیشے ہوئے جواب سے نا آشنا بن کر آتا اور عوام کو اپنی وہی روشدہ باتیں سناتا کر بھکاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رستی کسی چالاک یا فریب کے نیچے مدامی طور پر دینی یا چھپی نہیں رہ سکتی۔ صداقت میں ایک بڑست طاقت ہے، انجام کار کذب باطل کے پردوں کو خود ہی چاک چاک کر دیا کرتی ہے۔ کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی اور کاٹھ کی تلوار میدان کارزار میں نہیں چلتی میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کو اب اس مذکورہ مسئلہ کی نسبت زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہیں لیکن اس وقت مجھ کو ایک عزیز نے مجبور کیا ہے اور کسی ہنڈ لیکچر کے اسی تلوار والے اعتراض کو سن کر اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھنے کیلئے بیچارے کو اصرار ہے۔ لہذا میں اس مسئلہ کے ایک اور پہلو پر نظر ڈالنے اور اپنے ذوق کے موافق صرف تاریخی روشنی میں اس کی حقیقت معائنہ کرنے پر آمادہ ہوں وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

اکبر شاہ خاں



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّرِّ وَرَبِّ الشَّرِّ الْكُفَّارِ وَمِنْ غَضَبِ بَسِيَّارِ  
الْعِزَّةِ الْمَلِكِ الْوَالِدِ الْقَهَّارِ وَلِوَسُوْلِهِ وَاللَّيْلِ وَالنَّوْصِيَّةِ

### مقدمہ نمبر

کسی قوم کو مذہب تبدیل کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن لوگوں کے مذہبی خیالات تبدیل کر کے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو خوف یا لالچ کی وجہ سے اپنی ضمیر کے خلاف اپنا مذہب تبدیل کر لیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو دلائل و براہین کی طاقت سے متاثر ہو کر اپنا مذہب تبدیل کرتے اور قوم یا پوراوری کی ملامت و مخالفت کو ذرا خاطر میں نہیں لاتے۔

ان دونوں قسم کے لوگوں کی مختصر تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ اول وہ جو ضمیر کی مخالفت کرتے ہیں یعنی بزدل۔ دوم وہ جو ضمیر کی مخالفت نہیں کرتے یعنی بہادر۔ اسی طرح اپنے مذہب کی اشاعت کرنے والے اور دوسروں کے مذہب تبدیل کرنے والے لوگ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول وہ جو ڈرا دھمکا کر اور لالچ و بیکراپنا کام نکالتے ہیں۔ دوم وہ جو دلائل و براہین سے کام لیتے ہیں۔

ان میں پہلی قسم کے لوگوں کے پاس دلائل و براہین نہیں ہوتے اسی لئے ڈرانے اور لالچ دینے کو کام میں لانا پڑتا ہے۔ یہ لوگ اپنا کام صرف اسی وقت کر سکتے ہیں جبکہ ان کو طاقت و حکومت اور مال و دولت حاصل ہو۔ دوسری قسم کے لوگ ہر حالت میں

اپنا کام کر سکتے ہیں دولت و حکومت کی حالت میں بھی اور افلاس و محکومی کے عالم میں بھی۔  
 جو لوگ دوسروں کا مذہب تبدیل کرتے اور دوسروں کو اپنے مذہب کا پیرو بناتے  
 ہیں ان کو عامل کہنا چاہئے۔ جن کا مذہب تبدیل کرایا جاتا اور دوسرے مذہب کا پیرو  
 بنایا جاتا ہے ان کا نام معمول رکھنا چاہئے۔

معمول بھی دو قسم کے ہوتے اور عامل بھی دو قسم کے۔ پہلی قسم کے عاملوں کو صرف  
 پہلی ہی قسم کے معمول مسمیٰ کر سکتے ہیں یعنی دوسری قسم کے معمول پہلی قسم کے عاملوں سے  
 ہرگز متاثر نہیں ہو سکتے۔ دوسری قسم کے عامل دونوں قسم کے معمولوں کو متاثر کر سکتے ہیں  
 مگر زیادہ تر دوسری ہی قسم کے معمول ان کے معمول بنتے ہیں۔

میں آج اسلام اور دوسرے مذاہب کو واقعات کی رو سے ایسی معیار پر  
 جانچنے کی کوشش کروں گا اور بتاؤں گا کہ اسلام دوسری ہی قسم کا عامل ہے۔

## مقدمہ نمبر ۱

باغ عالم کا پتہ پتہ اور میدان کائنات کا ہر ذرہ شہادت پیش کر رہا ہے کہ زندگی یا  
 حیات نام ہے جنگ اور زور آزمائی کا۔ انسان کا جسم خود عناصر کا ایک میدان کارزار  
 ہے۔ عناصر کی اس جنگ کے موقوف ہو جانے ہی کا نام موت ہے۔ ہواؤں کا چلنا۔ بادلوں کا  
 آنا اور برسنے بجلی کا چمکنا۔ رعد کا گرجنا۔ نباتات کی روئیدگی۔ حیوانات کا اتفاقاً قیام سب  
 نتیجہ ہیں ایک کشمکش اور جنگ پیکار کا جہاں حیات یا زندگی زیادہ نمایاں ہے اور  
 نشوونما کا اثر زیادہ پایا جاتا ہے۔ وہاں یہ جنگ بھی زیادہ نمایاں اور زیادہ جوش و  
 خروش سے جاری نظر آتی ہے۔ جمادات کی نسبت نباتات میں اور نباتات کی نسبت  
 حیوانات میں یہ سلسلہ جنگ اور تنازع لبقا زیادہ پایا جاتا ہے حیوانات میں انسان  
 چونکہ اشرافیہ اور اس کو قوت ارادی بھی عطا کی گئی ہے۔ لہذا اس تنازع لبقا میں بھی

انسان اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح اپنے تمام کاموں میں دوسرے حیوانات کی نسبت اس کی ذمہ داری بڑھتی ہوئی ہے۔ ایک شیر جس کو قدرت نے مضبوط جسم، زبردست دانت اور تیز نیچے عطا کئے ہیں۔ جب اپنا پیٹ بھر لے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے جنگل میں ایک بارہ سنگے کا شکار کرتا ہے تو اس پر اس کے اس فعل کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی اور اس کو حجروں کی فہرست میں شامل نہیں کیا جاسکتا لیکن انسان جو دوسرے انسان یا حیوان کے ساتھ اس قسم کا کوئی بڑا کرتا ہے۔ تو چونکہ اس کا یہ کام اس کے ارادی اور اختیاری افعال کے ایک سلسلہ کا نتیجہ ہوتا ہے لہذا کبھی وہ گنہگار قرار دیا جاتا ہے اور کبھی بیگناہ۔ مگر یہ غیر ممکن ہے کہ انسان کے افعال و اعمال میں سے اس کشمکش حیات یا تنازع لبتقا کو بالکل نکال ڈالا جائے۔ اگر ایسا ممکن ہو تو پھر انسان اپنے اوج کمال سے گر کر اس انتہائی پستی میں پہنچ جائے جہاں اس کو جمادات سے بھی نیچے کے درجہ پر جگہ مل سکے گی۔ ان محل الفاظ اور نہایت ہی مختصر اشارات کی تفصیل ایک نہایت دلچسپ اور سیدھا علم ہے لیکن میں اس وقت قدرت فرصت کے سبب مجبور ہوں کہ اپنے مخاطبوں اور اس نگارش کے پڑھنے والوں کی وسعت نظر اور علمی قابلیت کے متعلق حسن ظن سے کام لوں۔ لہذا اوضح مدعا کیلئے صرف اسی قدر تفصیل کافی سمجھتا ہوں کہ اس کا رگاہ عالم میں جہاں تک کا حال معلوم ہو سکا ہے۔ کوئی ایک قسم یعنی کسی زمانہ اور کسی ملک میں ایسی نظیر نہیں آتی جس کو اپنی حیات اور بقا کے لئے ہتھیاروں کے استعمال اور دوسروں سے نزو آزمائی کا اتفاق نہ ہو اور ہنڈیاں توڑنے۔ گوشت کاٹنے۔ خون پٹونے والے آلات اور اپنے قلب کی توت (شجاعت) سے کام لینے کا موقع نہ ملتا ہو۔

ہنڈستان کے طبقات الارض نے پتھروں کے ہتھیار ہم کو پیر کئے ہیں جن کو دیکھ کر ہم آج ان قوموں کا تصور کر سکتے ہیں جن کو حجر یہ عہد کی قومیں کہا جاتا ہے۔ جدید یہ تو احم کی ابتدا کا زمانہ بھی ہم کو لوہے کے ہتھیاروں ہی نے بتایا ہے۔ نیم تاریخی زمانہ سے لیکر



آج تک ہر قوم میں ورسوں کو قتل کرنے والے اور میدان جنگ میں کام آنے والے ہتھیار سہی زیادہ قیمتی اور قابل توجہ چیزیں نظر آتی ہیں۔ درونا چارج اور ارجن کی تبرکمان۔ کرنشن جی کاچکر۔ راجندر جی کا ترسول۔ رستم گاگرز گاوسر۔ افراسیاب کی مکندر عدو بند۔ داؤد علیہ السلام کی زرہ وغیرہ آلات حرب اگر نیم تاریخی زمانہ کی چیزیں ہیں تو سکندر کی زرہ و مغفر۔ ہر آم چوبین کا نیزہ۔ خالد کی تلوار۔ ہرقل کا خود۔ پرتھی راج کا کھانڈا۔ کھانڈے رائے کی سپر اور قطب الدین ایبک کا تیر وغیرہ آلات جنگ تاریخی زمانہ کے سامان ہیں اور ہمارے زمانہ کی بندوقوں۔ توپوں۔ ہوائی جہازوں۔ آبدوز کشتیوں۔ تارپیڈوں۔ آہن پوش جہازوں۔ قلعوں۔ دمدھوں۔ خمدقی مورچوں وغیرہ سے تو کون سے ہے جو واقف نہیں۔ اسی طرح ہما بھارت کی لڑائی میں کرنشن جی کا ارجن کو اپنے عزیزوں رشتہ داروں۔ دوستوں اور بزرگوں تک کے قتل کرنے پر باصرہ آمادہ کرنا کھنڈو کا افراسیاب اور تورانیوں کو تلوار کے گھاٹ انازنا۔ گشتاسب کا ہندیوں کو اور اسفندیار کا زابلیوں کا پامال کرنا۔ کیانیوں کا بابل اور یونان کو مصریوں کا فلسطین و شام کو تہ تیغ کرنا شمالی افریقہ کا جنوبی اٹلی کو خاک سیاہ بنا دینا۔ اور مغلوں کا چینوں کے خون کی نہریں بہا دینا اگر نیم تاریخی زمانہ کے واقعات ہیں تو یرموک۔ انگورہ۔ پانی پت۔ وائٹ لو وغیرہ ہزارہا تاریخی زمانہ کی تماشاکا ہیں اور ٹرسوال۔ پورٹ آر تھر۔ ٹریپولی۔ ایڈریانوپل۔ اینٹ ورپ۔ گلشیا۔ ڈارونیلز۔ شمالی فرانس۔ بغداد۔ فلسطین وغیرہ ہمارے زمانہ کے تھیسٹر ہیں۔ پس حماقت ہے یہ کہنا کہ ہتھیاروں کے استعمال اور کشت و خون کے ہنگاموں اور سفاک مہ کے بدوں بھی آدم کی اولاد اس زمین پر اشرف المخلوقات بن کر رہ سکتی ہے اور نادانی ہے یہ کہنا کہ جدال و قتال اور ستیز و آویز کے بغیر بھی قومیں علمی اخلاقی تمدنی معاشرتی ترقی کر سکتی۔ عز و افتخار اور راحت و اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہیں یہ تیر و تلفنگ اور اسلحہ جنگ تو اسی وقت دنیا سے معدوم ہو سکتے ہیں جبکہ موجودہ



انسانی نسل بالکل معدوم اور نچم سوخت ہو جاتے۔ موجودہ عناصر کی جگہ نئے عناصر موجود ہوں۔ موجودہ سلسلہ نظام عالم درہم برہم ہو کر نئی قسم کی زمین۔ نئی قسم کا پانی۔ نئی قسم کی ہوا اور نئی قسم کے ایام و لمبالی ظہور میں آئیں۔

اب اس کے بعد کہنے کی بات صرف اس قدر ہے کہ تلوار کے متعلق استعمال کو کسی قوم کے لئے جرم قرار دینا سراسر ابلہی اور بیوقوفی کی بات ہے۔ ہاں دیکھنا یہ ہے کہ تلوار بے موقع استعمال ہوتی ہے یا باموقع۔

جس طرح تلوار کا ظالمانہ طریقہ پر استعمال کرنا ایک جرم ہے۔ اسی طرح ظالموں کو ظلم سے روکنے کے لئے استعمال نہ کرنا بھی ایک جرم ہے۔ میں پھر مقدمہ نمبر اول کی طرف توجہ دلاتا اور اصل مضمون شروع کرتا ہوں۔

## مذہب کی علامت

تاریخی یا نیم تاریخی روایات جو مذہب کے حالات بتلاتی ہیں ان میں سب سے پہلے مذہب موسوی زیر توجہ آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونوں کو لائل و براہین سے راہ راست پر لانا چاہا لیکن کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔ ہر مباحثہ اور مقابلہ میں فرعونوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ دلائل نے نلزم ٹھیکر لاجواب بنایا۔ لیکن چونکہ ان کی فطرتیں منح ہو چکی تھیں اور اپنے ضمیر کی آواز نہیں سن سکتے تھے لہذا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معمول نہ بن سکے۔ تاہم نبی اسرائیل پر اپنے تشدد اور نظام کو ہمیشہ جاری رکھنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ چونکہ ان کی شرارتوں اور ان کے ضمیر کے مردہ پن کی انتہا ہو چکی تھی لہذا خدا تعالیٰ نے غیر سب سے سامان ہتھیار فرعون اور فرعونوں کو ہلاک کیا۔ اور اپنے نیک و پاک بندوں کو بچایا۔ فرعونوں کے مانند ہی مردہ فطرت اور ظالم لوگ فلسطین و شام میں موجود تھے۔ جہاں پیروان موسیٰ علیہ السلام اپنی حضرت پویش بن



تو ان کی بہری و سراسی کے ماتحت بنی اسرائیل کے ذریعہ سزا دی گئی اور شام کے ہر شہر و قریہ کو ظالموں سے پاک کرنے کے لئے قدم قدم پر حضرت یوشع بن نون کو خون بہانا اور تلوار کو استعمال کرنا پڑا۔ یہ قتل و غارت جس میں شہریوں کو قرار واقعی سزائیں دیکھیں عقل و انصاف کی عدالت میں جائز ہے۔ لیکن لوگوں کو موقع مل گیا ہے کہ سچوں و عنق و غیرہ شامی اقوام کو شریعت موسوی کے سامنے گردن جھکانے پر مجبور کر نیکی فعل کو محل تامل یا ناجائز قرار دیں۔ کیونکہ جب یہودیوں کے پاس دولت و حکومت نہ رہی تو ان کے مذہب کی اشاعت بھی بالکل رک گئی۔

۳۔ زردشت نے جن مذہب کی بنیاد رکھی شروع ہی سے تلوار کی نوک اور برچی کی آئی نے اس کو سہارا دیا۔ بوڑھا سپہ سالار رستم اول درجہ کا شاہ پرست تھا گشتاسپ کے ساتھ اس نے دین زردشتی اختیار کیا اور دوسروں کو بھی زبردستی دین زردشتی میں شامل کیا۔ نوجوان شہزادہ اسفندیار نے پنجاب کشمیر میں ان لوگوں کے سرں کو جنہوں نے آتش پرستی سے انکار کیا اپنے گزرگراں سنگ سے پورچور کر کے خاک و خون میں ملایا اور بحیر و تعدی زردشت کی پیغمبری کا کلمہ پڑھوایا۔ کیا نیوں کا نصف خور ساسانیوں کا پورا زمانہ آتش پرستی کی اشاعت و حمایت میں گذرا۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جہاں جہانتک شاہی تلوار کی آئیچ پہنچ سکتی تھی۔ وہیں وہیں تک آتش خانے گرم تھے۔ جس ملک اور جس قوم کے سرے چوسیوں کی تلوار کا سایہ دور ہوا۔ اسی ملک اور اسی قوم سے فوراً آتش پرستی کا نور بھی کا فور ہوا۔ ہندوستان کی نوآبادی کو جو ایران کے ساتھ قوی تعلقات تھے کچھ ان کی وجہ سے کچھ بیاس سنگراچہ کی کوششوں سے کچھ گشتاسپ اور اس کے جانشینوں کے حملوں سے آتش پرستی ہندوستان میں بھی داخل ہوئی اور آج تک ہندوؤں کے مذہب کا جزو بنی ہوئی حقیقت مذکورہ کو روشن کر رہی ہے۔

۴۔ بد مذہب کا حال جہانتک تاریخوں سے معلوم ہو سکتا ہے اس کا ظاہر ہوتا ہے



کہ اس مذہب کو اپنی اشاعت میں تلوار سے بہت ہی کم کام لینا پڑا ہے۔ آشوک کنشاک کے زمانہ میں علیٰ مچالس کا تو حال معلوم ہوتا ہے لیکن تلواروں کی چمک صحنجات تاریخ پر بہت ہی کم نظر آتی ہے۔ ان چند رگپت کی سلطنت کا عظیم الشان ایوان تیار کرنے میں انسانوں کا خون بجاتے پانی ضرور استعمال کیا گیا ہے۔ مگر چند رگپت کی سلطنت بد مذہب کی سلطنت نہ تھی چند رگپت کو پادشاہ بنانے اور بد مذہب کے مذہبی پادشاہ ہمانند کے خاندان کو تباہ کرنے کا باعث برہمن ہی تھے۔ اسی لئے چند رگپت کے زمانہ میں برہمنی مذہب کے ماننے والوں کو بہت کچھ سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی تھی چند رگپت کی سلطنت برہمنی مذہب اور بد مذہب دونوں کی مرکب سلطنت تھی برہمن چین سیام جاپا اور روس کے جزائر میں بد مذہب ہی آسانی سے جاری ہو سکا جبکہ ہندستان سے جلاوطن کئے ہوئے بد مذہب لوگوں نے ان ملکوں میں پہنچ کر اپنے مذہب کی اشاعت شروع کی۔

۴۔ آریوں نے غیر آریوں اور ان کے مذہب کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا اندازہ بڑی آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ غیر آریوں نے جو قتل ہوئے سب سے بچ سکے اپنے آپ کو بچانے کے لئے سرسبز میدانوں اور شاداب دوابوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں اور ریگستانوں میں پناہ لی تھی چنانچہ آج تک ایسے ہی مقامات ہیں غیر آریوں کی نسلیں پائی جاتی ہیں۔ بھیل گونڈ کول سنٹال وغیرہ کے مساکن آریوں کی سفاکانہ کارروائی کی زبردست اور زندہ شہادت پیش کر رہے ہیں۔ آریوں نے غیر آریوں پر کیسے کیسے مظالم روا رکھے اور کس طرح ان کو ذلیل و حقیر ٹھہرا کر انسانوں کے گروہ سے خارج کر کے چوپایوں کے مرتبہ پر پہنچانے کی کوشش کی اس کا ثبوت ویدوں اور منو سمرتی وغیرہ میں بھی بخوبی موجود ہے۔

آریوں کی حکومت و دولت جب کمزور ہو کر معرض خطر میں آ گئی اور وہ غیر مذہب والوں پر تشدد بے جا روا رکھنے کے قابل نہ رہے تو مریدان کو تم بد مذہب کے وعظ و پند سے



متاثر ہو کر لوگ ہندیا آریہ مذہب کو چھوڑنے اور بدھ مذہب کو اختیار کرنے لگے  
 حتیٰ کہ قریباً تمام ملک ہندوستان ہندوؤں کے مذہب کو خیر باد کہہ کر بدھ مذہب کا  
 پیرو بن گیا۔ بدھ مذہب کی انصاف پسندی اور درگزر کا نتیجہ تھا کہ جہاں جہاں تھوڑے  
 بہت آریہ مذہب کے ماننے والے رہ گئے بدھوں نے ان کے حال اور جان مال سے کوئی  
 تعرض نہ کیا اور ان کو تمام تمدنی و معاشرتی حقوق حاصل ہے جب بدھوں کی سلطنت  
 کمزور ہو گئی اور آریہ یا ویدک مذہب برہمنی مذہب کی شکل میں پھر برسرِ اقتدار ہوا اور بعض  
 راجاؤں کی حمایت اس کو حاصل ہو گئی تو حکومت و سلطنت کے ذریعہ اس مذہب نے  
 بو دھوں پر اپنا وہی عمل شروع کیا جو غیر آریوں کے ساتھ کام میں لایا گیا تھا۔ بدھوں میں  
 سے کچھ لوگ برہمنی مذہب میں پھر جذب ہو گئے اور قسم اول کے معمول ٹھہرے۔ کچھ تلوار  
 کے گھاٹ اتارے گئے یا آریہ رت (ہندوستان) سے جلا وطن ہونے پر مجبور کئے گئے۔  
 چنانچہ آج اس عظیم الشان بدھ مذہب کا جو ہندوستان میں پیدا ہوا کوئی پیرو ہندوستان کی  
 حد میں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ چین و جاپان و برصغیر میں ایک بڑی تعداد موجود ہے۔  
 اس ملک میں کسی بدھ مذہب کے پیرو کا موجود نہ ہونا اس بات کا تصور آسانی سے کر دیتا ہے  
 کہ وہ قتل و جلاوطنی کے نظارے عظیم الشان ہونگے جبکہ شکر اچارج کے حامی راجاؤں کی افواج  
 اس ملک کو بدھوں سے پاک کر رہی تھیں۔ یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ شاہ آباد و کٹاپور  
 وغیرہ کے واقعات اس زمانہ میں رونما ہو کر اسخ العقیدت اور بہادر بدھوں کے

قتل و جلاوطنی کا تصور کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں۔

رسید ہمارے منقار ہما براستخوان غالب

پس از عمرے بیاد م و اور ہم و راہ پیکان را

۵۔ عیسائی مذہب جس ملک میں پیدا ہوا وہاں بذریعہ دلائل و براہین اس کو کوئی

کامیابی حاصل نہ ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام چند معمولی طبقہ کے آدمیوں کے سوا



کسی کو اپنا پیرو نہ بنا سکے ان کے بعد بھی جیتک رومن امپائر کے مشرقی حصے کا فرمانروا عیسائیت کا حامی نہ بنا اور یونانی و رومی دیوتاؤں کے پرستاروں کا خون آبِ شمشیر سے آئینختہ نہ ہوا۔ عیسائیت کی اشاعت نہ ہو سکی۔ مگر یونان و اٹلی وغیرہ میں عیسوی مذہب کو بت پرستی کا مقابلہ کرنا پڑا اور ظاہر ہے کہ اگر دلائل و براہین سے مقابلہ کیا جائے تو بت پرستی کسی ایسے مذہب کے مقابلہ میں جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ روحانی اور اخلاقی نظام کھتا ہو ہرگز دیر تک نہیں ٹھہر سکتی۔ اور اسی لئے عیسائیت کا ان ممالک میں اشاعت پانا یقینی تھا۔ تاہم عیسائیت شاہی علم کے نیچے اور تلواروں کے سایہ میں استہ طے کرتی ہوئی ان ملکوں میں نہی۔ حیرت ہوتی ہے کہ یورپ کے وسطی اور شمالی ملکوں میں بھی عیسائیت کے آگے خون کا سیلاب رہبری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ افریقہ اور یورپ میں عیسائیت کو عموماً بت پرستی سے واسطہ پڑا اور وہ کامیاب ہوئی۔ لیکن آتش پرستی پر وہ کوئی اثر نہ ڈال سکی۔ تلوار کے ذریعہ ایک مرتبہ ساسانی دارالسلطنت تک عیسائی پہنچے لیکن ایران میں کسی کو عیسائی نہ بنا سکے۔ شام اور اسپین میں عیسائیوں نے اسلام کو تلوار کے ذریعہ اپنا معمول بنا نا چاہا۔ تلوار کے بادلوں سے خون کی موسلا دار بارشیں ہوئیں لیکن دونوں جگہ عیسائی ناکام ہے۔ یعنی اسپین میں مسلمانوں کا اکثر حصہ قتل ہوا۔ یقیناً السیف جلا وطن ہو گئے مگر دین عیسوی میں دخل نہ ہوتے۔ مگر شام میں عیسائیوں کا سیلاب مسلمانوں سے ٹکرا کر اس طرح واپس ہوا جیسے کسی پہاڑ سے ٹکرا کر دریا کی موج واپس ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے ایک مشہور پہاڑ کا نام ساری دنیا جانتی ہے کہ صلاح الدین ایوبی تھا جس کے مقابل بڑے بڑے شہر وول بے بس ہو کر رہ گئے۔ اسپین و شام دونوں جگہ اسلام کو عیسائیت اپنا معمول نہ بنا سکی۔ موجودہ زمانہ میں عیسائیوں نے لالچ کو زیادہ تر آلہ کار بنا رکھا ہے مگر وہ ان لوگوں کو جن کا نام ہم نے دوسری قسم کے معمول رکھا ہے اپنا معمول بنانے میں سراسر ناکام ہے۔ مثلاً ہندوستان ہی میں دیکھ لو چھار بھنگی سانے۔ نٹ وغیرہ ادنیٰ طبقہ کی



قوموں میں عیسائیت زیادہ سرایت کر سکی ہے۔ ہندو اور مسلمان شرفاً میں عیسائیت کا باوجود اس قدر سخت اور باقاعدہ کوششوں کے کوئی نمایاں اثر محسوس نہیں ہوا۔ شریف بہادر راجپوت صحیح النسب اور صاحب عزت سیدوں پٹھانوں اور مغلوں کے خاندان باوجود اخلاص و تنگدستی کے عیسائیت کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

## مذہب کی معمولہ حقیقت

یہودیوں کو میدیاں والوں یعنی مہ آبادیوں نے اپنا معمول بنا نا چاہا مگر سراسر ناکام ہے کیونکہ نے بابلیوں کی قید سے یہودیوں کو آزاد کرانے میں مددی لیکن ایرانی اپنے مذہب میں جذب نہ کر سکے سخت نصر کی سفایوں نے یہودیوں کو مشرک بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور قتل و جلا وطنی کے بڑے بڑے ہیبت زہرہ گذار مناظر دنیا میں ظہور پذیر ہوئے لیکن یہودیوں کے مذہب عقیدہ کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا عیسائیت نے بھی اپنی پوری کوشش دلائل و براہین اور شمشیر و تیر کے ذریعہ یہودیوں کو اپنا معمول بنانے میں صرف کی لیکن یہودیت متاثر نہ ہو سکی۔ بالآخر اسلام نے یہودیوں کے اکثر حصہ کو جو عرب شام وغیرہ میں تھے اپنے اندر جذب کر لیا۔ وہ مذہب جو ایرانیوں۔ بابلیوں اور عیسائیوں کی بے پناہ تلواروں کے مقابلہ میں اپنی ستقامت و استواری کو کامیابی کے ساتھ قائم رکھ سکا تھا اسلام کے مقابلہ میں اس کو خود بخود گردن جھکا دینی پڑی اور بہت سے یہودی خود بخود اسلام میں داخل ہو گئے جو باقی ہے ان کو مسلمانوں نے کبھی نہ چاہا کہ تلوار کا مزہ چکھا کر اسلام کے ذائقہ سے لذت آشنا کریں۔ افغانستان و بلوچستان و کشمیر میں سکونت رکھنے والے یہودیوں کو مسلمان بنانے کے لئے بھی قطعاً کوئی تلوار میدان سے نہیں نکالنی پڑی۔ اسلام کی ولہ بانو بیوں نے ان بہادر یہودیوں کو اسلام کا خادم اور حلقہ بگوش بنا دیا جہاں

جہاں اسلام اور یہودیت کا معاملہ اور معمولانہ حیثیت سے تعلق ہوا یہودیت اسلامی روشنی سے متاثر ہوئے بدوں نہ رہ سکی لیکن اس کے خلاف عیسائیت ناکام نظر آتی ہے۔ عیسائیوں نے یہودیوں کے مجبور کرنے میں کمی نہیں کی۔ اس زمانہ میں بھی یورپ کی اکثر عیسائی حکومتوں نے یہودیوں کو چلا وطنی کے مصائب میں مبتلا رکھنا جائز رکھا اور ان کے ساتھ عموماً غیر ہمدردانہ طرز عمل اختیار کیا گیا۔ مگر یہودیوں نے سب کچھ سہا لیکن عیسائیت میں جذب نہ ہو سکے۔

۲۔ آتش پرستوں پر ان کے مذہب کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مستحکم کرنے کیلئے سب سے پہلے خاقان چین کا حملہ ہوا جس میں بوڑھا عزت گزین پادشاہ لہر اسپ مارا گیا اور خود بانی مذہب و خورشور زردشت کو بھی سفر آخرت پیش آیا۔ مگر یہ ایک بگولہ تھا کہ آیا اور گذر گیا۔ دین زردشتی کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پھر یونانی آندھی آئی اور اپنے ساتھ وہ فولاد رنگ گھنگھو گھٹالائی جو مصر و ایشیائے کوچک سے لیکر ہندستان تک چھائی۔ اس آندھی نے دارائے کیانی کے تحت کو دنیا کے تختہ سے اڑایا اور اس شمشیر یا گھٹانے پر ان کے آتش خانوں پر اس طرح خون کا پنبہ برسایا۔ کہ سکندر کے بوجہ ساسانیوں کو سانس آیا تو انہوں نے زند آستہ کے صرف چند خون آلود اور دریدہ اوراق کے سوا آتش پرستی کا کوئی سامان نہ پایا۔ مگر دنیا چیراں ہے کہ سپہر گزردہ کو اسکندر ابترہ سے مطلع صاف ہوتے ہی زمین ایران پر یونانیوں کا کوئی نشان نام کو بھی نظر نہ آیا تھی تو وہی آتش پرستی اور تھا تو وہی مذہب زردشتی۔

اس کے بعد سعید بن قاصم کے زیر ایلان اسلامی لشکر حدود ایران پر آیا اور توحید کا جھنڈا اور السلطنت ایران پر لہرایا۔ حدود ایران کے اندر مسلمانوں نے اختلاف مذہب کی وجہ سے مغلوب مجوسیوں کے خون کا کوئی دریا نہیں بہایا۔ بلکہ فرق و مدارات۔ اسلامی شائستگی اور شفقت و رافت کا وہ نمونہ دکھایا کہ آتش پرستی خود بخود



خدا پرستی میں جذب ہو گئی اور آج جو سیوں کی اولاد کو اگر آتش پرستوں کی طرف نسبت کیا جائے تو وہ اس کو گالی سے بدتر تصور کرتے اور اسلام کے نام پر اپنی جانیں قربان کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ لہذا یہودیوں کی طرح آتش پرستوں کو بھی دوسری ہی قسم کے معمولوں میں شامل کرنا چاہئے۔

۳۔ بودھ مذہب کو برہمنی مذہب نے اپنا معمول بنانا چاہا اور اس نے خوفِ لالچ اور دلائل و براہین دونوں سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بودھوں کا ایک حصہ برہمنی مذہب میں داخل ہوا اور دوسرا حصہ جو دلائل و براہین سے تسکین نہ پاسکا اور خوف و لالچ سے متاثر نہیں ہو سکا یا قتل ہوا یا جلاوطن ہو کر چین و جاپان و سیام و برصغیر و تبت وغیرہ میں پہنچ کر اپنے مذہب کی اشاعت میں کامیاب ہوا۔ انہیں بودھوں پر جب اسلام کی ایک ہلکی سی کرن پڑی یعنی چین و سیام اور جزائر کے بودھوں میں چند اسلامی مذاہب پھیلے تو وہاں کے بودھوں نے بخوشی اسلام کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم آج چین میں مسلمانوں کی قریباً اتنی ہی تعداد دیکھتے ہیں جس قدر کہ ہندوستان میں موجود ہیں۔ جزیرہ نما ملایا۔ جاوا۔ سماٹرا۔ فلپائن وغیرہ جزائر کے تمام بدھ بھی بلا جبر واکراہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۴۔ آریہ ہند مذہب کا جب بدھ مذہب سے دلائل و براہین کے ذریعہ مقابلہ ہوا تو وہ ہرگز قائم نہ رہ سکا اور بدھ مذہب میں بڑی آسانی سے جذب ہو گیا۔ یونانی صنم پرست تلواریوں نے ہندوستان میں آئے اور آندھی کی مانند آگ بگولے کی طرح نکل گئے لیکن ان کی صنم پرستی کا اثر اس مذہب نے قبول کیا۔ ایرانیوں کی آتش پرستی یا ساسانیوں کی آتش پرستی کے ذریعہ آئی اور اس مذہب کا جزو بن گئی۔ ستارہ پرستی کا اثر بھی اس مذہب میں آتش پرستی کے اثر سے پہلے آباوی ایرانیوں کے ذریعہ داخل ہو چکا تھا۔ نو شیرواں کے زمانہ میں ایرانی ہندوستان میں پھر فاتحانہ داخل ہوئے اور ہندوؤں کا

مذہب اس مرتبہ بھی ان فاتحین کا اثر قبول کئے بغیر نہ رہا۔ چنانچہ نوشیروان کے  
مُرشد یعنی مزوک کے مسلک کا اثر ساکت مت کی شکل میں آج بھی ہندوستان کے  
ہندوؤں میں موجود ہے۔

ساجب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی تو شریعت اسلام کی اشاعت  
کرنے والوں کو اس ملک میں بھی تبلیغ اسلام کا موقع ملا۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے  
کہ مسلمانوں نے حکومت کا خوف لاکر اور مال و دولت کا لالچ دے کر ہندوؤں کو مسلمان  
نہیں بنایا۔ تاریخ کا کوئی عرصہ اس بات کی شہادت پیش نہیں کر سکتا کہ کسی ہندو کو  
کسی مسلمان پادشاہ نے اس لئے قتل یا قید کیا ہو کہ وہ مذہب اسلام قبول کرنے سے  
انکار کرتا تھا۔ سلطنت اسلامی کی طرف سے ہندوستان میں کسی وقت بھی قطعاً کوئی  
کوشش ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے نہیں کی گئی۔ ہاں مسلمانوں کے علماء اور صوفی  
لوگ اپنے وعظ و تبلیغ سے ہندوؤں کو اسلام سے آشنا کرتے رہے اور اپنی ضمیر کی موافق  
کام کرنے والے زندہ دل اور بہادر ہندو اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ چنانچہ آج  
جس کا جی چاہے تمام نو مسلم خاندانوں کے تاریخی حالات کو تحقیق کرے۔ ہر خاندان کی نسبت  
یہی ثابت ہوگا کہ اُس کا مورث غلام درویش۔ فلاں صوفی یا فلاں عالم کے فیض  
صحبت سے مسلمان ہوا تھا۔ ایسا کوئی نو مسلم خاندان نہ ملے گا جس کی نسبت ثابت کیا  
جاسکے کہ اُس کے مورث کو کسی مسلمان پادشاہ یا مسلمان سپہ سالار نے قتل و غارت کی  
دھمکی دے کر مسلمان کیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان پادشاہوں نے تبلیغ اسلام کی طرف سے  
ایسی بے پروائی برتی کہ انہوں نے معقولی رنگ میں بھی کسی ہندو کو اسلام کی طرف پلانا  
نہ چاہا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے مسلمان پادشاہوں کے عہد میں کوئی دربار اور کوئی  
سرکار نہیں جو ہندوؤں سے نمائی ہو۔ مگر ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ کسی مسلمان پادشاہ نے  
اپنے ہندو صاحب یا ہندو اہلکار یا ہندو سردار کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب



دی ہو ہندوستان میں جس قدر ہندو مسلمان ہوتے یا تو خود بخود اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو کر مسلمان ہوتے یا مسلمان درویشوں سے ان کو اسلام کی طرف توجہ دلا کر مسلمان کیا۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ نو مسلموں میں سب سے زیادہ ہندوؤں کی بہادری قومیں مثلاً راجپوت وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ برہمن بننے اور اسی قسم کی غیر جنگجو قومیں بہت ہی کم مسلمان ہوئیں۔ آخر اس کی بھی کوئی وجہ تلاش کرنی چاہیے۔ کہ ہندوؤں کی بہادری اور غیرت دار قومیں ہی سب سے زیادہ اسلام میں کیوں داخل ہوئیں؟

بات یہ ہے کہ ایک بہادری انسان پر جب حق بات منکشف ہو جاتی ہے تو وہ اس حق کی حمایت اور اس کے تسلیم کرنے کے لئے فوراً آمادہ ہو جاتا ہے اور کسی رحم راج اور برادری کی مطلق پروا نہیں کرتا لیکن ضعیف القلب سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ حق کے لئے برادری کی مخالفت کر لے گا۔

وہ قومیں جو بہادری تھیں یا دنیا پرستی کے لئے شہرت رکھتی تھیں اسلام میں بہت ہی کم داخل ہوئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر اسلام کی اشاعت اس ملک میں تلوار اور مال کے ذریعہ کی جاتی تو نتیجہ بالکل برعکس ہوتا۔ یعنی راجپوت نو مسلم سب سے کم نظر آتے۔ اور دوسری قوموں کے نو مسلم زیادہ ہوتے۔ غرضیکہ ہندوؤں کا مذہب ہمیشہ دونوں قسم کے عاملوں کا معمول یا سانی بن سکا ہے اور ہندوستان کی آب و ہوا نے جس طرح ہمیشہ دوسری قوموں کے سامنے ہندوؤں کی گردنیں جھکاٹی ہیں۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کا اثر بھی ہندو مذہب پر غالب آتا رہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنے مذہب کی اشاعت کیلئے کبھی تلوار استعمال نہیں کی جیسا کہ دوسرے ملکوں میں بھی انہوں نے اختلاف مذہب کے سبب کسی کو نہیں شایا لیکن سب سے زیادہ ہجرت انگریزوں نے کی ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں ولایت و برابری کے ذریعہ بھی اپنے مذہب کی شائع ہونے کی ویسی خواہش نہیں کی جیسی کہ ان کو ہونی چاہتے تھی۔ بلکہ انہوں نے

ہندوؤں کے مذہب کو خود بخود اسلام میں جذب اور فنا ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کے بچانے اور باقی رکھنے کی کوششیں شروع کر دیں اور انہیں کی احمقانہ کوششوں کا وجود مغلیہ میں بڑے زور شور سے جاری ہوئیں یہ نتیجہ ہے کہ آج ہندستان میں اتنی بڑی تعداد ہندوؤں کی موجود ہے اور وہ خود اسلام میں اس طرح جذب اور فنا نہیں ہو سکے جس طرح یہودی و قبطی و مجوسی و عیسائی وغیرہ عرب و مصر و ایران و شام میں اسلام کے اندر جذب و فنا ہو گئے۔

۱۔ عیسائی مذہب کے بانی علیہ السلام پر یہودیوں نے جو ظلم و ستم روا رکھا وہ عالم آشکارا ہے۔ اگرچہ خود حواریں میں سے ایک صاحب کو لالچ سے اور دوسرے کو خوف سے متاثر ہونا پڑا لیکن یہودی مذہب بہتیت مجموعی عیسائیت کو اپنا معمول نہیں بنا سکا۔ روم اور یونان والوں کی بت پرستی نے بھی عیسائی مذہب کو اپنا معمول بنانے میں چیرہ دستی دکھائی لیکن عیسائیت کے مقابلہ میں انجام کار وہ خود ہی مطلوب معمول بن گئی لیکن جب عیسائیت کو شام و مصر وغیرہ میں اسلام سے واسطہ پڑا تو وہ اسلام کے مقابلہ میں قائم نہ رہا۔ جس جگہ اسلامی اثر پہنچا عیسائیت گھلتی ہوئی نظر آتی جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے۔ چنانچہ عرب۔ فلسطین۔ شام۔ ایشیائے کوچک۔ مصر۔ طرابلس وغیرہ ممالک اسلام کی یلخت قبولیت اس کی شاہد ہے۔

## اسلام کی عالمگیر حالت

جبکہ دنیا میں نسل انسانی اپنی بھی و انتہائی منزلیں طے کر رہی اور جمالیات و شہادت کے تاریک پردوں کو چاک کرتی۔ خاکستری خون میں لتھڑی گرتی پڑتی۔ اٹھتی۔ سنہلکتی۔ کیا نہیں کھینچے۔ تلواریں نکالے۔ نیزے نولے۔ شراب کے پیالے چڑھائے۔ پتھروں کی موتیں لگائیں۔ دہائے کبھی خدائے واحد لاشریک کی حمد و ثنا میں مستغرق و سرشار اور اسے سہواً لگائے۔



کبھی دریاؤں، پہاڑوں، درختوں، چوپایوں اور سانپوں تک کو معبود بناتے اور ان سب کے آگے گردنیں جھکاتے۔ کبھی شجاعت میں شیریں کومات کرتی اور کبھی گیدڑوں سے ڈرتی اور چوہوں سے کان کتر داتی ہوتی اس مقام تک پہنچ گئی جہاں سے آگے چلنے اور انتہائی عروج و ترقی کی منزلیں طے کرنے میں ضرورت تھی کہ آفتاب کی روشنی اس کی بصارت کو حقیقت انبیاء کے مشاہدہ کا موقع دے اور ایک ایسی شاہراہ بلجائے جس میں ٹھوکریں کھانے، ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹنے اور بہراہ روی و دوری منزل کے مصائب سے نجات پائے اور انسان اپنے مقصدِ عظیم یعنی خدایسی و خدا دانی و راحتِ جاودانی کے حصول میں باسانی کامیاب ہو سکے۔ تو خدائے برتر و توانا نے نسل انسانی کے اس استحقاق کا لحاظ فرما کر ملکِ عرب میں جو کہ نسل انسانی کی تمام گذشتہ منزلوں اور انسانی فطرت کی تمام لذتوں اور خستوں کے نمونے اپنے اندر رکھتا تھا ایک چشمہ نور و ہدایت پیدا اور ایک آفتابِ رسالت طلوع کیا تاکہ وہ ہر انسانی کمزوری اصلاح اور فطرت انسانی کی ہر پستی و ذلت اور ہر ایک کج راہی و گمراہی کا علاج ہو کر کامل ہادی کا بلِ مصلح، کامل استاد، کامل معالج بن سکے اور نسل انسانی کو وہ شاہراہ مستقیم مل سکے جس پر گمراہ ہو کر وہ خطراتِ راہ سے محفوظ و مامون اپنی منزل پر باسانی پہنچے اور حصولِ مراد میں ناکام نہ رہ کر قلاعِ تمام حاصل کر سکے۔ اس آفتابِ رسالت اور اس ہادی کامل کا نام ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و صحابہ وسلم۔ اور قرآن کریم نام ہے اس کامل ہدایت نامہ، اس کامل دستور العمل، اس کامل نور و روشنی کا جس کو یہ رسول رب العالمین رحمتہ للعالمین خدائے تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا جس میں کوئی ریب یعنی کوئی ہلاکت اور کوئی فریب نہیں۔ اس سرورِ انبیا اور رسولِ مجتبیٰ نے لوگوں کو بتایا کہ تم انسان اور اشرف المخلوقات ہو۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور اجرام سماوی بھی تمہارے سب سے خوار و نیکو ہیں۔ پھر بھلا پتھر، درخت، دریا، آگ، پانی، چوپائے،

چاندرا سورج اور ستارے تمہارے مخدوم اور معبود کیسے بن سکتے ہیں۔ اس لیے انسان کو اس فطرت وراثت سے کہ وہ پاؤں شاد ہو کر اپنے غلاموں کے آگے سجد کرنا تھا بچایا اور معبود حقیقی تک پہنچنے کا راستہ بتا کر ہر ایک صفت انسانوں کو انسان بنایا اور اخلاق و تہذیب کا ایک ایک گڑ بکھا کر اور جو اپنا نمونہ دکھا کر تحت الشری ذلت میں گرتے تھے انسانوں کو اوج عزت و کمال پر پہنچایا۔ ایک نادان بچہ اپنے استاد و شری کو اپنا دشمن سمجھتا اور ایک اجنبی مریض اپنے معالج ڈاکٹر کے دشمن و دشمن کا خیر یقین کرتا ہے۔ لیکن ماں باپ، استاد اور شفیق جراح اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتے کیونکہ نادان بچے اور بیوقوف مریض کی فلاح و بہبود، زجر و توبیح اور نشتر کے استعمال ہی میں مضمر ہوتی ہے۔ ہر یکہ جہالت پنہا لوگوں نے جو ہر قسم کے اخلاق فاضلہ سے عاری تھے۔ نوع انسان کے اس کامل ہمدرد کی مخالفت میں ایڑی سے پوٹی تک اپنا تمام زور لگا دیا۔ تیرہ سال تک اس رحمتہ للعالمین اور اس کے فیض صحت کے اثر یافتہ مسلمانوں کی قلیل جماعت نے وہ وہ مصائب اور وہ وہ صعوبتیں ان وحشی درندوں کے ہاتھ سے سہیں کہ جن کے تصور سے جموں کے روٹنگے کھڑے ہوتے اور دل بیٹھے جاتے ہیں۔ وہ کیسے ظالم لوگ تھے کہ جن کے مظالم کی حکایات پڑھنے سے آج پتھر کے دل بھی آب آہ ہوئے جاتے اور سنگدلوں کے کلیجے بھی منہ کو آتے ہیں۔ مگر ان ستم گروں کے لئے یہ تمام ظلم و ستم دل لگی کا سامان اور خوش ہو ہو کر دیکھنے کا تماشا تھا۔ آج کسی بڑے سے بڑے ڈاکو کسی بڑے سے بڑے قاتل کسی بڑے سے بڑے مردم کش مجرم کو کسی پیران میں اس طرح سزا دو کہ اس کی ایک ٹانگ ایک اونٹن کے پاؤں سے باندھو۔ دوسری ٹانگ دوسرے اونٹن سے باندھو۔ دونوں اونٹوں کو مخالف سمتوں میں دوڑا دو کہ اس مجرم کے بیچ میں سے شوق ہو کر دو ٹکڑے ہو جائیں۔ اس نظارہ کو دیکھنے کے لئے بڑے بڑے قوی القلوب لوگوں کو جمع کرو پھر دیکھو کہ وہ اس تماشے کے دیکھنے کی تاب لاسکتے ہیں یا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ



سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے شاہ آباد اور کٹار پور میں اپنے ہاتھوں سے معصوم بچوں اور بیگناہ عورتوں کو ان کی آہ و زاری پر انقذات کئے بدولت قتل کیا اور بیس ضعیف بوڑھوں عورتوں اور بچوں کو چلتی ہوئی آگ میں دیکھ کر ڈال دیا اور اپنے سامنے ان کو آگ میں ترپتے۔ ان کو گوشت و پوست اور چربی کو جلتے اور ان کی ہڈیوں کو مشعل کی طرح جل کر کوئلہ ہوتے ہوئے خوش ہو ہو کر دیکھا اور کوئی شخص دیکھنے کی تاب نہ لاسکے گا۔

عرب کے درندہ خوہت پرستوں نے ضعیف مسلمانوں کو یہ اور اس سے بھی بڑھ کر وحشیانہ سزائیں صرف اس لئے دیں کہ مسلمان اس واحد لاشریک خدا کی پرستش کیوں کرتے تھے۔ جو حقیقتاً سب کا خالق۔ مالک۔ رازق اور معبود ہے اور پتھر کی مورچوں کے آگے سر جھکا کر انسانی شرافت کے ماتھے پر زالت کا ٹیکہ کیوں نہیں لگاتے تھے۔

معصوم بچوں کا صرف اس لئے چورنگ اڑایا گیا کہ ان کے ماں باپ نے خدا کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ گالیاں دینی پتھر مار کر لہولہان کر دینا۔ جلتی ہوئی ریت پر لٹانا۔ سینے پر بھاری پتھر رکھ کر تمام دن گرم زمین پر دھوپ میں ڈالے رکھنا۔ نکیل ڈال کر دن بھر ساری رستی میں تشہیر کرنا۔ کوڑوں سے جسم کی کھال اڑھیرنا ان ظالموں کی معمولی باتیں اور روزمرہ کے دلچسپ تماشے تھے جو بیس مسلمانوں کے ساتھ کئے جاتے تھے۔

ان رُوح فرسا اور جانگداز مظالم و مصائب کو مسلمانوں کی بیگناہ پاک اور قلیل جماعت نے جس صبر و استقامت اور تحمل کے ساتھ تیرہ برس تک برداشت کیا اس کی نظیر دنیا میں کوئی شخص ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتا۔ جبکہ ظالموں نے اپنے ان ہلاکت آفرین اور ستم پرور تماشوں سے خود ہی تھک کر یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اس چشمہ نور و ہدایت کو بالکل معدوم اور مشعل خدا پرستی و خدا شناسی کو گل کر دیا جائے تو مجبوراً رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مکہ سے نکل کر ایک ایسے شہر پناہ میں اپنا اور اپنی جماعت کا قیام مناسب سمجھا جہاں خدا کا نام لینے والوں کی

جائیں محفوظ ہیں لیکن ان پتھر کے سچاریوں اور تلوں کے آگے نڈوت کر بیوالوں نے  
 مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھے دیا اور بار بار بڑی بڑی ہتھیاروں پر دست فوجوں نے  
 ان مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے ناپید کرنے کے لیے چڑھاٹھیاں کیں جن کا جرم سوائے  
 اس کے اور کچھ نہ تھا کہ وہ خدا کی بندگی بجالانے اور شیعوں ان باطلہ سے بیزاری کا  
 اظہار کرتے تھے۔ اور عقل و دانائی کے دعویٰ اور اور کھڑا سا بھی عدل و انصاف کا  
 ماور کھنے والو! اگر تم صیح العقل اور منصف مزاج انسان ہو اور وہ حیوان ہو جس کو  
 ناطق کہا جاتا ہے تو بولو کہ کیا عفو و درگزر اور صبر و تحمل کے امتحان کی بھی اور بھی  
 ضرورت باقی رہ گئی تھی اور کیا اس کے بعد بھی ان درندوں کو جو اسلام کی تعلیم  
 لوگوں کے کانوں تک پہنچنے میں باہر تھے راستہ سے ہٹانے اور اپنی جان کے بچانے  
 میں تلوار کا استعمال کرنا کوئی جرم تھا؟ ان درندوں کی درندگی دور ہوتے ہی  
 کلمہ حق کی آواز باسانی لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور یکایک تمام عرب جو مجموعہ ذائل  
 بنا ہوا تھا اس آواز کو لبیک کہنے کے بعد یکایک بیخ فضا مل بن گیا۔ صرف چند ہی  
 روز کے اندر تمام بر اعظم عرب کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام کا  
 حلقہ بگوش بن جانا۔ دنیا کی تاریخ کا ایک لائپر اور عظیم المثال واقعہ ہے۔ عرب کے آزاد نش  
 اور جنگجو لوگوں کے دلوں کو اسلام کا حیرت انگیز طور پر منور کر دینا اور اس میں کسی جبر و اکراہ کا  
 دخل نہ ہونا اس طرح بھی ثابت ہے کہ وہ ہی باشندگان عرب جو اسلام کی روشنی حاصل  
 کرنے سے پہلے مسلمانوں کے جانی دشمن تھے دوسرے وقت اسلام کی حفاظت میں  
 اپنی جانیں قربان کرتے اور اپنی گروہیں کٹواتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسلام ایک ہیبتناور حیرت و نور کا چشمہ تھا جب اس چشمہ سے تاریکی عادت  
 طور پر تمام عرب بیکجا پاک منور و سیراب ہو گیا تو اس مانہ کی دونوں سمتیں بڑی سلطنتوں  
 یعنی ایران و روم نے جو شمال و مشرق اور شمال و مغرب میں عرب کی سرحد تک پھیلی



ہوتی تھیں اپنی بے بصیرتی اور کوششی سے اسلام کے نور کو نار اور اسلام کی حرمت کو اپنے لئے نہمت سمجھا۔

ہر قلم نے اپنے شامی و آسری کے ذریعہ تمام عرب کی سرحد پر فوجیں جمع کرانی شروع کی کہ مسلمانوں کا استیصال کیا جائے۔ ادھر کسریے ایران نے عراق عرب کی طرف اپنا لشکر بڑھایا کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ کیا اس حالت میں کہ دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں اپنی پوری پوری طاقتوں کے ساتھ بے ساز و سامان اور بے خبریوں کو پس ڈالنے پر آمادہ تھیں کسی صاحب عقل کا یہ مشورہ ہو سکتا تھا اور بصیرت و دانائی یہ حکم دے سکتی تھی کہ دنیا میں توحید کا علم بلند کرنیوالی صرف ایک ہی قوم جو تمام دنیا کو شرک و بت پرستی سے آزاد کر کے خدا پرستی کی جانب مائل کرنے اور ہر قسم کے اخلاقِ فاضلہ سے منصف کر کے نسلِ انسانی کو اس کے اعلیٰ مقام شرافت تک پہنچانے کا واحد ذریعہ تھی چکی کے ان دونوں باظوں کے درمیان پس جاسے یعنی ایرانی اور رومی فوجوں کے ہاتھوں کوششی کے ساتھ قتل ہو جائے اور اپنی حفاظت اور قیام و بقا کے لئے کہ اسی میں دنیا بھر کے انسانوں کی اخلاقی و روحانی زندگی مضمحل ہو جائے۔ ہاتھ نہ ہلاتے۔ ظاہر ہے کہ کسی عقل اور کسی عدل سے یہ فیصلہ بجا اور نہیں ہو سکتا چنانچہ عربوں نے اپنی حفاظت کو ضروری سمجھا اور انہوں نے اپنے ملک کی سرحدوں پر پہنچ کر عیسائیوں اور آتش پرستوں کے سپاہیوں کو روکا۔ یہ خدا سے تعالیٰ کی مدد اور ایمان کی قوت کا اثر تھا کہ رومی اور ایرانی ساز و سامان سے آراستہ فوجیں اور لوہے میں عرق سوار و پیادے ان بے خبر سامانِ ناقہ مست مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے تو ایک ایک مسلمان ایک ایک ہزار پر بھاری نکلا جس کا جی چاہے خاک پر ہو کہ کے ایک ایک ذرہ سے اس اجمال کی تفصیل سن لے کہ صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار دشمنوں کا کس طرح کامیاب مقابلہ کیا تھا۔ کوئی

سیاست۔ کوئی پالیٹکس یہ تجویز نہیں کر سکتی کہ اپنے خون کے پیاسے دشمن کو صرف اپنی سرحد پر جنگ آزما ہو کر ایک فوج روک دینے سے امن و اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کی طاقت کو توڑے اور اس کے سر کو جھکائے، بدن کبھی بھی اس کے خطرے سے نجات کا حاصل ہونا ممکن نہیں اور اسی لئے آج بڑے بڑے قلا سفروں کی زبان سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ امن و امان کا خطبہ صرف توپ اور ہنڈی کے دہن سے سنایا جاسکتا ہے۔ پس مسلمان مجبور تھے کہ اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے ان طاقتور دشمنوں کی فوجی طاقت کو اسی طرح توڑیں جس طرح کہ ہم نے یورپ کی سلطنتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کے فوجی نظام کو درہم برہم کئے بدن امن و امان کو موہوم سمجھتی ہیں۔ حالانکہ ان کی آپس کی مخالفتوں کو اس عداوت و دشمنی سے کوئی نسبت ہی نہیں جو روٹیوں اور ایرانیوں کو مسلمانوں سے تھی لہذا مسلمانوں نے چند ہی روز میں ان دونوں زبردست دشمنوں کو نچا دکھا اور خدا تعالیٰ کے وعدوں کو سچا پایا۔ آپ خالی الذہن ہو کر تاریخوں کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ مسلمانوں نے کسی ایک شخص کو بھی روٹی اور ایرانی ٹانگوں میں داخل ہو کر صرف اس لئے قتل کیا کہ وہ اپنا پیرانا مذہب تبدیل کرنا نہیں چاہتا تھا یا میدان جنگ میں مقابلہ پر آ کر ہتھیار استعمال کرنے والوں کے سوا کسی ہستی کو جلایا اور کسی گاؤں یا قصبہ یا شہر کی غیر مسلح آبادی یعنی غیر مسلم رعایا میں سے کسی کا خون بہایا۔ بلکہ جو شہر و قصبہ مسلمانوں کے زیر حکومت آئے اس کے غیر مسلم باشندوں نے مسلمانوں کے طرز عمل اور مسلمانوں کے اہلاق کو دیکھ کر علی الاعلان اعتراف کیا کہ ہم دوزخ سے نکل کر جنت میں آگئے اور پیر لوں کے بچوں سے چھوٹا کر نجات پائے۔ مسلمانوں نے ان غیر مسلموں کو اس میں امان کیساتھ رکھے اور غیر مسلم اطمینان و راحت کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دی۔ ظالم دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لئے خود اپنی جانیں قربان کیں۔ لیکن ان غیر مسلموں کو اپنی فوج میں بھرتی ہونے



اور میدان جنگ میں لپکا کر حریف کا مقابلہ کرنے کی تکلیف نہیں دی۔ اس امن و امان کے قائم رکھنے اور قیمتی جانیں تباہ کرنے کے صلے میں نہایت ہی خفیف سی مالی امداد چاہی۔ جو آج کل کی مساوات و عدل کی دعویٰ دار سلطنتوں کے بھاری بھاری ٹیکسوں اور محصولاتوں کے مقابلہ میں بہت ہی بے حقیقت سی چیز تھی۔ اور یہ مالی امداد جس کا نام جزیہ تھا غیر مسلموں ہی سے نہیں لی جاتی تھی۔ بلکہ یہی مالی امداد وزکوٰۃ کے نام سے مسلمانوں کو بھی ادا کرنی پڑتی تھی۔ غیر مسلموں کو تو جزیہ کبھی خاص خاص حالتوں میں معاف بھی ہو جاتا تھا لیکن زکوٰۃ کا ادا کرنا فرض قرار دیا گیا۔ اور کسی مالدار مسلمان کو قطعاً چون چرا کا موقع نہیں مل سکا۔ یہ غیر مسلم محکوم اپنے مسلمان حاکموں سے واقف ہو کر ان کے اخلاق و عادات اور ان کے عقائد و عبادات مشاہد کرنے کے بعد اسلام میں داخل ہوتے بدوں نہ رہ سکے اور مسلمان ہو ہو کر اسلام کے ان دشمنوں سے جو دودن پہلے ان کے ہتھیار تھے۔ ہم مذہب ہتھیار اور عزیز تھے۔ مارنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بس اسی طرح ایران و شام و مصر وغیرہ ممالک کے اندر چند روز کے عرصہ میں اسلام پھیل گیا یعنی ان ملکوں کے تمام باشندے مسلمان ہو گئے۔ ایک سوچنے والا سوچے اور عقل سے کام لینے والا غور کرے کہ ایران سے آتش پرستی اور مصر و شام سے عیسائیت وغیر مذاہب کے معدوم ہونے میں اسلام کی خطا اس کے سوا اور کیا قرار دی جاسکتی ہے کہ وہ ایسا اچھا۔ پاکیزہ اور فطرت انسانی کے عین موافق اور دلربا مذہب کیوں ہے اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں وہ کیوں سچتہ اور کامل اصول رکھتا اور انسان کو اس کی مہراج کمال تک پہنچاتا ہے۔

۲۵ء میں اسلام مصر سے افغانستان تک اور آرمینیا سے عدن تک کامل طور پر شائع ہو چکا تھا۔ دنیا کی کوئی تاریخ ایسی نہیں جو پچیس سال کے عرصہ میں کسی مذہب کے اس طرح شائع ہونے کی مثال پیش کر سکے۔ اس کے بعد اسلام بتدریج

اپنا دائرہ وسیع کرتا رہا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں مسلمان تاجروں نے ایشیا کے مشرقی مجمع البحرین، جاوا، سہاٹرا، پورنیو، ملایا، فلپائن، نیوگنی وغیرہ کو مسلمان بنا دیا۔ کل شمالی افریقہ بحر اٹلانٹک کے ساحل تک اسلام سے منور ہو گیا۔ بیشک مسلمانوں نے آن پادشاہوں کی فوجوں کو شکستیں دیں جو بہت پرستی اور شرک کے حامی مخلوق خدا پر ہر قسم کے ظلم و ستم کو روا رکھنے والے ہر قسم کی بد اعمالیوں اور شرارتوں کے کام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے لیکن محکوم رعایا اور تلوار نہ اٹھانے والوں کو انہوں نے کبھی کوئی آزار اس بات کے لئے نہیں پہنچایا کہ انہوں نے اسلام کیوں قبول نہیں کیا۔ بلکہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کو اپنے زیر نگرانی لے کر مسلمانوں سے بڑھ کر راحت و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کا موقع اور مذہبی آزادی عطا کرتے تھے اور وہ اسلام میں داخل ہو کر اپنے فاتحین سے زیادہ اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے دشمنوں کو زیر کرنے میں جانفشانی دکھاتے تھے۔ مثلاً میں اسلام فرانس و اسپین و مراکو سے لے کر سندھ و پنجاب و افغانستان تک اور کوفہ قاف سے بحر الکاہل و بحر ہند کے جزیروں تک پھیل چکا تھا یعنی اس زمانہ کی قریباً تمام متمدن دنیا اسلام کے زیر سایہ آچکی تھی۔ اگر اسلام میں خود کوئی جذب، خوبی اور دلچسپی نہ تھی جو دلوں کو مسحور کر سکتی تو بتاؤ کہ تنہا ایک شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا زیادہ سے زیادہ مہاجرین انصار کی مختصر سی جماعت ساری دنیا کو کس طرح محکوم و مسحور کر سکی۔

مسلمان اس حالت میں کہ وہ ساری دنیا میں سب سے بڑی طاقت تھے اگرچہ مسلمانوں کو اور اسلام صرف ملک گیری کی ہوس لانا تو دنیا کی چھوٹی چھوٹی غیر مسلم سلطنتوں کو (جو مسلمانوں پر حملہ آوری کی جرات نہیں کر سکتی تھیں اور اسی لئے باقی رہنے دی گئی تھیں) بڑی آسانی سے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر سکتے تھے لیکن چونکہ ان سلطنتوں نے اسلام کی سیادت کو تسلیم کر لیا تھا لہذا ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اس لیے یہیں



جس میں عیسائی پادشاہت کو۔ ایشیا میں چین کی بددھ سلطنت کو۔ شمالی یورپ کی عیسائی حکومتوں کو مسلمانوں نے دالستہ کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ یہ عنادی کافر یعنی اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن نہ تھے۔ یہاں تک اسلام کے عالمانہ اثر کے ایک خاص پہلو کی نسبت مختصر سا اشارہ کیا گیا ہے جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو سکتی ہے کہ دنیا کے دوسرے مذاہب کی عالمانہ کارروائیوں کے مقابلہ میں اسلام ایک اہم رحمت ہے اور اس پر کوئی الزام وارد نہیں ہو سکتا۔ اب اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

چین کے بادشاہ نے اپنے ملک کی بغاوت فرو کرنے کے لئے یا افواج اسلامی کے حملوں کا احتمال رفع کرنے کے لئے خلیفہ المسلمین کی خدمت میں نیاز مند درخواست بھیج کر التجائی کہ اسلامی فوج کا ایک دستہ میرے پاس بھیج دیا جائے کہ میں اسکی مدد سے اپنے ملک کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر امن و امان قائم رکھ سکوں۔ چنانچہ سرحد خراسان کی افواج میں سے تھوڑے سے عربوں کو دارالسلطنت چین کی طرف جانے کا حکم ہوا اس عربی دستہ فوج کو کوہ ہمالہ کی دشوار گزار دیوار پر کشمیر سے آسام تک اس لئے سفر کرنا پڑا کہ تبت اور ہندوستان دونوں ملکوں میں اس کی مزاحمت یقینی تھی چین میں پہنچ کر ان مسلمانوں نے جو جو کام کئے ان کا یہ اثر تھا کہ چین کے پادشاہ اور چین کی رعایا نے جس طرح ممکن ہوا ان کو واپس نہ آنے دیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے آغوش شفقت میں اس طرح جگہ دی کہ وہ چین ہی کے ہوئے۔ انہیں مسلمانوں کی تبلیغی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج چین میں مسلمانوں کی اس قدر تعداد موجود ہے کہ یورپ کے کسی بڑے سے بڑے ملک کی آبادی اس کے برابر نہ ہوگی اور یہی مسلمان ہیں جو باشندگان چین کا بہترین حصہ سمجھے جاتے ہیں۔

شدیم ناک ولیکن بے تربت ما  
توان شلخت کریں بے مردی خیر

خلاصہ کلام یہ کہ چین میں اشاعتِ اسلام کے لئے کسی شخص کی نکسیر تک بھی نہیں پھوٹی بلکہ اسلام نے اپنی ذاتی خوبی اور اعلیٰ اصولوں کی وجہ سے بد مذہب والوں کو باسانی اپنا معمول بنا لیا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بحر الکاہل اور بحر ہند کے کثیر القعدا و جزائر سب کے سب مسلمان تاجروں اور مسلمان منادوں کے ذریعہ مسلمان ہوئے اور آج تک ان جزائر کے باشندے عیسائی مشنریوں کی سینکڑوں برس کی مسلسل کوششوں کے باوجود مسلمان ہی چلے جاتے ہیں۔ ان جزائر میں بھی مسلمانوں کا کوئی جنگی جہاز نہیں پہنچا کسی شخص کے چہرے پر کوئی تلوار نہیں کھینچی گئی۔ اسلام کی ذاتی خوبی نے خود بخود ان کو مسلمان ہونے پر مجبور کر دیا۔

افغانستان کے اسی لوگ قیس عبدالرشید کے اسلام لانے کے بعد ہی اسلام سے واقف ہو کر فوراً خود بخود مسلمان ہو گئے۔ اس جنگجو قوم سے مسلمانوں کو مذہب کے لئے قطعاً کوئی لڑائی نہیں لڑنی پڑی۔ اسلام کے جس لڑبا ظاہری و باطنی حسن و جمال نے سارے جنگجو عرب کو اسلام کا شیدائی بنا دیا تھا اسی دلکش خوبی نے اس جنگجو افغانستان کو یکلخت اسلام کا فدائی بنا لیا اور ایسا فدائی بنایا کہ آج کسی کی ہمت نہیں کہ ان کو اسلام سے روگردان کرنے کے لئے کوئی دھوکا دینے کی جرأت کر سکے۔ سوچنے اور سمجھنے والے کے لئے افغانستان کا مسلمان ہونا بھی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اسلام کی اشاعت دنیا میں خوف یا لالچ کے ذریعہ ہرگز نہیں ہوتی۔

ترکوں اور منگولوں نے مسلمانوں کی دنیوی طاقت کے کمزور ہونے اور مرکزی اسلامی سلطنت کے ضعیف ہوجانے پر زور پکڑا اور بغداد میں مسلمانوں کے خون سے وجہہ کا پانی سرخ کر دیا لیکن ان چہرہ دست اور فلاح کفار نے مغلوب و مفتوح و مجبور مسلمانوں کے اخلاق و مذہب سے واقف ہو کر فوراً اسلام کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں۔



کیا تاریخ عالم میں کوئی ایسی مثال دستیاب ہو سکتی ہے کہ کوئی فاتح قوم اپنی مفتوح قوم کے مذہب کی اس طرح مفتوح ہو گئی ہو۔ ایسی مثالیں اگر ملیں گی تو اسلامی تاریخ میں ہی ملیں گی۔ سارا یورپ متفق اور متحد ہو کر ملک شام پر حملہ آور ہوا اور بار بار ناکام و نامراد واپس گیا۔ لیکن اس سلسلہ کر و سید میں یورپ کے عیسائیوں کو اپنے مبغوض مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق سے کما حقہ واقف ہونے کا موقع ملا۔ مسلمانوں کے اس اخلاق فاضلہ کے نمونے کا اثر تھا کہ تاریخ یورپ میں علم و اخلاق کی روشنی کا ظہور شروع ہوا۔

اس مدعا پر کافی روشنی پڑ چکی ہے کہ اسلام نے صرف ان دشمنوں کے مقابلہ پر تلوار اٹھائی جو اسلام کو فنا کرنے پر آمادہ ہونے اور جن کے فنا یا زیر کئے بدیں اسلام کی بقا و دشواری تھی۔ جن قوموں نے اسلام کی اس طرح مخالفت نہیں کی مسلمانوں نے بھی ان سے کوئی مخالفت اور جنگ نہیں کی۔ لیکن اسلام کی مخالفت کرنے والے اور مخالفت نہ کرنے والے دونوں ہی اسلام سے متاثر ہوتے بدوں نہ رہ سکے۔

## اسلام کی معمولانہ حالت

مغلوں اور ترکوں کا حال سن چکے ہو کہ ان کی تلواروں نے بغداد میں لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔ لیکن وہ اسلام کو اپنے مذہب سے کیا متاثر کرتے خود ہی اسلام کے خادم بن گئے۔

شد غلامے کہ آب جو آرد آب جو آمد و غلام بہرہ

یورپ کے عیسائیوں نے مذہبی جوش میں دیوانہ ہو کر اسلام کو مٹانے اور فنا کرنے کے لئے تین سو برس تک مذہبی لڑائیوں کا بازار گرم رکھا لیکن کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس تین سو برس کی کوشش میں تین مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کر کے

عیسائیت میں داخل نہ کر سکے۔ اسپین میں مسلمانوں نے اس طرح حکومت کی کہ اسپین کو امن و راحت کا گوارہ بنا کر نمونہ جنت بنا دیا اور علم و ہنر کے دریا بہا دیئے لیکن عیسائی زور پکڑ کر جب اسپین کے مسلمانوں پر چیرہ دست ہوتے تو سوائے اس کے کہ مسلمانوں کو تہ تیغ کریں یا ان کو آبنائے جبرالٹر کے پار اقلش میں جلا وطن ہونے پر مجبور کریں اور ان کے بعض بھرے ہوئے جہازوں کو سمندر میں بویں اور کچھ نہ کر سکے اس دلخراش داستان کو تفصیلی طور پر سننے کے لئے ضرورت ہے کہ انسان اپنے پہلو میں پہلے پتھر کا دل جیتا کرے پھر بھی اندیشہ ہے کہ وہ پتھر پھیل کر اور پانی بن کر آنکھوں کے راستے نہ بننے لگے۔ کسلی یعنی جزیرہ صقلیہ میں بھی مسلمانوں کی یہی حالت ہوئی جو اسپین میں ہوئی تھی۔ سوائے عیسائیت کے اور کسی مذہب کو جرات ہی نہ ہوئی کہ وہ اسلام کو معمول بنانے کا خیال بھی دل میں لاسکے۔ عیسائیوں نے دولت و حکومت سے قوت پا کر اسلام کو اپنا معمول بنانے کی کوششوں کو آج تک برابر جاری رکھا ہے۔ لیکن اس کی بے بسی قابل رحم ہے کہ عیسائیوں کو اپنی ہر قسم کی انتہائی کوششوں کے بعد بھی کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مال و دولت جاہ و مرتبہ حسن و جمال۔ سائنس و فلسفہ حکومت و سروری۔ نشے اور کھیل تماشے غرضیکہ ہر قسم کا لالچ اور ہر قسم کی کوششیں اپنا کام کر رہی ہیں لیکن اسلام کے مقابلہ میں سب سامان بے اثر اور بلا نتیجہ ہی نظر آتے ہیں۔ اسلامی سلطنتیں بھی یکے بعد دیگرے ٹٹی جا رہی ہیں اور اسلامی حکومتوں کے ایوان اس طرح دھڑام دھڑام گر رہے ہیں کہ کان بڑھی آواز سنائی نہیں دیتی۔ مگر اسلام کو پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اقالہ لفظوں کا وہ خداوندی آج تک ہمیشہ پورا ہوتا رہے اور آئندہ بھی یقیناً پورا ہوگا۔

اسلام کی صداقت کا یہ بھی بڑا ثبوت ہے کہ عیسائی سلطنتیں اسلامی سلطنتوں کے



قابلِ مض ہوتی جا رہی ہیں مگر اسلام ان کے مذہب کو ہر میدان میں شکست پر شکست دے رہا ہے اور اسلام کی صداقتوں کا کبھی زبان سے اور کبھی زبان حال سے اسلام کے دشمنوں کو اقرار کرنا پڑ رہا ہے۔ غرضیکہ کوئی مذہب بھی آج تک اسلام کو اپنا معمول نہیں بنا سکا۔ گو مسلمانوں کو اپنا مغلوب بظاہر بنا سکا ہو۔

اس جگہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی کا سبب کیا ہے تو اس کا مختصر جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اسلام پر پورے پورے عامل نہیں ہے اور قرآن کریم کو جو ان کا دستور العمل تھا پس پشت ڈال دیا ہے۔ پھر سوال ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کی نسبت بے توجہی اور اسلام پر عامل ہونے میں بے پروائی کیوں کی؟ وغیرہ۔

ان سوالوں کے جواب کا یہ موقع نہیں اس وقت تو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کی اس موجودہ حالت کا سبب کسی دوسرے مذہب کا اثر نہیں ہے اور اسلام عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کا معمول ہرگز نہیں بنا نہ بن سکتا ہے۔

## اسلام ہندوستان میں

ہندوستان ایک ایسا خوش آب و ہوا ملک ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اس ملک میں نسل انسانی کی فراوانی و آبادانی کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے لیکن نہایت افسوس اور بے انتہا حسرت کے ساتھ یہ حقیقت زبان تک آتی ہے کہ ہندوؤں کی بے پرواہی افسانہ نگاری غلط نویسی اور عجوبہ پرستی کے ہاتھوں اس ملک کی قدیم تاریخ کا اکثر حصہ تاریکی میں مدفون ہو کر فنا ہو چکا ہے۔ ہمارے ہاتھوں تک جو کچھ پہنچا ہے وہ غیر ملک کے واقع نگاروں کی تحریروں اور موجودہ زمانہ کے فرنگستانی محققین کی پامردی کا نتیجہ ہے جس کو بہت غنیمت سمجھ کر

مشعل - اہ بنایا اور لیل کارواں ٹھیرایا جاتا ہے۔  
 موجودہ قابل تذکرہ ہندو اقوام کے بزرگ ایران سے آکر اس ملک میں آباد  
 ہوئے۔ تاریخی زمانہ میں وہی اس ملک کے باشندے سمجھے گئے اور ہندو کہلاتے۔  
 انہیں کے مذہب کو ہندو مذہب اور انہیں کی قوم کو ہندو قوم کہا جاتا ہے۔  
 شاہنامہ کی روایت کے بموجب ایران کے کیانی شہنشاہ کیکاؤس کے عہد میں  
 ہندوستان کے اندر ہندوؤں کی مستقل حکومتیں موجود اور سب کی سب ایرانیوں  
 کی باجگزار یا کم از کم ایرانیوں کی سیادت کو تسلیم کرتی تھیں۔ زال اور اس کا  
 بیٹا رستم دونوں قنوج آئے اور قنوج کے راجہ کی بیٹی سے رستم کی شادی  
 ہوئی جو رستم کے بیٹے فرامرز کی ماں بنی۔ پنجاب و کشمیر کے راجاؤں کا ان دونوں  
 باپ بیٹوں کی خدمت میں نذریں اور تحائف پیش کرنا بھی مذکور ہے۔ فرنگستانی  
 مورخوں کی تحقیق بتاتی ہے کہ بحیرہ خضر کے قریب رہنے والی سنجیں۔ دریائے جیوں کے  
 آس طرف کی رہنے والی ترک و مغل بحیرہ روم کے مشہور جزیرہ نکا کی یونانی۔ وسط  
 ایشیا کی پار تھیں وہیں وغیرہ اقوام نے ایرانیوں یعنی آریوں کے اس ملک میں آباد ہونے  
 کے بعد بار بار ہندی ہند پر حملے کئے اور ہر حملہ آور نے کامیاب ہو کر ظفر مند ہو کر  
 ہندوستان میں حکومت کے منزے اڑائے اور سلطنت کے لطف اٹھائے۔

### محمد بن قاسم

مذکورہ بالا قوموں کی فاتحانہ آمد کے بعد وہ زمانہ آیا جبکہ سندھ کے راجہ نے  
 مسلمانوں کے خلاف تھاوند و کراں کے معرکوں میں آتش پرستوں کی مدد  
 کے لئے اپنی فوجیں بھیجیں تو مسلمانوں نے ایرانی اور سندھی اور فوجوں کو شکست  
 دینے کے بعد سندھیوں کا اندرون ملک سندھ تک تعاقب کیا اور فوراً واپس  
 چلے گئے۔ سندھیوں نے دو بارہ سرحد اسلام پشاور پر کیا تو مسلمانوں نے



اس مرتبہ سندھیوں کو سزا دے کر ایک معقول حصہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ عہد عثمانی کا واقعہ ہے۔ اسی زمانہ میں سندھی اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اس علاقہ سندھ میں مسلمانوں نے ہندوؤں پر اختلاف مذہب کی وجہ سے کوئی تشدد نہیں کیا۔ بلکہ ان کو بڑی آزادی کے ساتھ انتظام ملک میں اپنا شریک کار بنایا۔ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں ہندوؤں نے سندھ کے مسلمانوں پر خروج کیا تو ۶۶۲ء میں مہلب بن ابی صفر نے حملہ کر کے بلتان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ حضرت امیر معاویہ کے بعد مسلمان اپنا سیاسی اقتدار سندھ میں قائم نہ رکھ سکے لیکن اسلام کا اثر برابر قائم رہا۔ جب راجہ واہر کی گورنمنٹ نے مسلمانوں کے قتل و غارت کو جائز قرار دیا اور مسلمانوں کے غیر مصافی اور تجارتی جہازوں کو ساحل سندھ پر لوٹ لیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا۔ تو خلیفہ اسلام کی طرف سے راجہ واہر کو اس نالائق حرکت کی طرف توجہ دلائی گئی۔ مگر راجہ کی طرف سے تلافی یافتہ اور عذر خواہی کے لیے مطلق التقات نہ کیا گیا۔ اسلامی جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زبردست سلطنت تھی اس بے عزتی کو کیسے گوارا کر سکتی تھی چنانچہ محمد بن قاسم گورنر فارس کو ۱۲ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کے اشارہ کے موافق سندھ پر حملہ کرنا پڑا اور راجہ واہر کو اس کی ناخدا ترسی اور ظالمانہ طرز عمل کا مزہ چکھایا گیا۔ محمد بن قاسم کے اس حملہ میں مقابلہ کرنے والے اور میدان جنگ میں لڑنے والے ہندوؤں کے سوا عام ہندو رعایا کی ولد ہی و ولداری کو بہانہ تک ملحوظ رکھا گیا۔ کہ مسلمانوں نے سامان رسد کے لئے بھی یہاں کی رعایا کو تکلیف نہیں دی۔ اپنے ہی ملک سے تمام ضروری سامان منگانے کا نہایت زبردست اور معقول انتظام کیا گیا تھا۔ فوج کے لئے سیرک کی ضرورت پیش آئی تو وہ بھی اس ملک میں تلاش نہیں کیا گیا۔ بلکہ شام کے ملک سے منگایا گیا۔ سوئی دھاگہ تک بھی مسلمان





اسلامی حکومت سندھ میں دیر تک قائم نہ رہی کیونکہ فخر علی خان کو اپنی اندرونی پچیدگیوں اور دارالخلافہ دمشق میں خلیفوں کے تغیر و تبدل کے سبب سندھ سے واپس جانا پڑا مگر اسلام سندھ و بلتستان وغیرہ سے بھی معدوم نہ ہوا اور نو مسلموں کو ہندو اپنے مذہب میں ہرگز واپس نہ لے سکے حتیٰ کہ محمود غزنوی نے ہندستان میں داخل ہو کر سندھ و بلتستان میں مسلمانوں کو معقول تعداد اور حفاظت خود اختیار ہی کی قابل حالت میں دیکھا۔

سندھ میں افغانستان کے مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ ہندو ان مسلمانوں پر جو سندھ و بلتستان میں رہتے ہیں انواع و اقسام کے ظلم و تشدد کر رہے ہیں۔ اس خبر کو سن کر افغانی قبائل کے کچھ لوگ بلتستانی مسلمانوں کی حمایت کے لئے بلتستان پہنچے۔ اجمیر کے راجہ کو جب افغانی مسلمانوں کے بلتستان پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے لاہور کے راجہ کو جو اس کا قریبی رشتہ دار تھا لکھا کہ افغانستان پر چڑھائی کی جائے چنانچہ لاہور کے راجہ نے افغانستان پر چڑھائی کی اور اس طرح ہندوؤں اور افغانوں میں لڑائیوں کا ایک سلسلہ جاری ہوا۔ ابھی افغانوں سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ لکھنؤوں کے جو قبائل لاہور کے راجہ کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے مجبوراً راجہ نے افغانوں سے وپ کر صلح کی بلتستان میں مسلمانوں کی ریاست تسلیم کی گئی اور سرحد کا علاقہ افغانوں کے سپرد ہوا۔ اس کے بعد سرحد پنجاب اور بلتستان میں اسلام تو برابر ترقی کرتا رہا مگر مسلمانوں کی حکومت دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ ہندوؤں نے اپنے عہدوں کی پرواہ کئے بڑے مسلمانوں کو بلتستان کی حکومت سے بیدخل کر دیا۔

محمود غزنوی

۱۰۶۳ء کے قریب عبدالملک ساسانی کے ایک زبردست سردار ایتھین نے غزنی میں اپنی علیحدہ خود مختار ریاست قائم کی ایتھین کے سپہ سالار

سبکتگین نے غزنی کی مدد پر ریاست کو وسیع کرنا شروع کیا۔ سبکتگین افغانستان کے اسلامی قبائل ہی کو اپنے زیر اثر لارہا تھا کسی ہندو راجہ کے علاقہ پر اس نے ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ لیکن سبکتگین کی روز افزوں ترقی اور شہرت نے لاہور و اجمیر وغیرہ کے ہندو راجاؤں کو متوجہ کیا چنانچہ لاہور و بھاطنہ کے راجاؤں کے مشورے کے موافق ملتان سے ملتان کو وہ سیلوان تک کا علاقہ پھر مسلمانوں کو دے کر ایک بااثر افغان شیخ حمید نووی کو اس علاقہ یعنی ریاست ملتان کا فرمانروا ہندو راجاؤں نے تسلیم کر لیا۔ مدعا اس سے یہ تھا کہ ملتان کے مسلمانوں اور افغانستان کے بہت سے جنگجو مسلمان قبائل کی ہمدردی سبکتگین کی مخالفت میں حاصل ہو جائے۔ سبکتگین کی وفات کے بعد جب ۹۷۹ء میں سبکتگین غزنی کا مستقل پادشاہ بن گیا تو لاہور کے راجہ جے پال نے بڑی سرگرمی سے فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مورخین نے اگرچہ سبکتگین کو پنجاب کے پادشاہوں کی فہرست میں شامل کیا ہے لیکن سبکتگین دریائے انڈس کے اس طرف کبھی نہیں آیا، جے پال جب اپنی فوجی تیاریاں مکمل کر چکا تو کثیر التعداد لشکر کے ساتھ خود سبکتگین کے ملک پر حملہ آور ہوا، جے پال کی اس حملہ آوری بہ سبب سبکتگین یا کسی مسلمان کی کوئی حرکت ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتی۔ بجز اس کے کہ جے پال کے دل میں خود ہی ان مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا خیال پیدا ہوا جو افغانستان میں راجہ جے پال کو کوئی نقصان پہنچائے۔ بدوں امن و امان کی زندگی بسر کر رہے تھے ۹۸۰ء میں جے پال نے سبکتگین کے ملک میں داخل ہو کر جبکہ سبکتگین اپنی بڑی فوج کے ساتھ بخارا کی طرف متوجہ تھا اس کے ایک سرحدی دستہ فوج کو قتل کر ڈالا۔ سبکتگین جے پال کی فوجوں کو اس طرح اپنے ملک میں بڑھتے ہوئے دیکھ کر مدافعت پر آمادہ ہوا یعنی ادھر سے لوٹ کر جے پال کے مقابل صف آرائی کی اور بڑی خونریز لڑائی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جے پال شکست



لکھا کہ اس طرح مسلمانوں کے پنجہ میں گرفتار ہوا کہ تاوان جنگ اور خراج ادا کرنے کا  
 اقرار کر کے واپس آسکا۔ بشرط یہ ٹھہری کہ سبکتگین کے کچھ معتمد سردار راجہ کے ساتھ  
 لاہور آئیں اور راجہ تمام موجودہ زر نقد اور ماتھی گھوڑے وغیرہ سامان ان کے  
 ہمراہ سبکتگین کی خدمت میں لاہور سے روانہ کر دے گا۔ سبکتگین نے بے پال کے  
 قول و قرار پر اعتبار کیا اپنے معتمد بھی اس کے ساتھ بھیج دیئے اور خود غزنی کو  
 واپس چلا گیا۔ بے پال نے لاہور آکر سبکتگین کے آدمیوں کو بجائے اس کے  
 کہ تاوان جنگ اور موجودہ نذرانہ دے کر رخصت کرتا تلوار کے گھاٹ اتار کر  
 اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت کر دیا۔ اس رسالت امیر  
 بدعہدی اور نامردانہ ظلم و درندگی کا حال سن کر امیر سبکتگین نے بے پال کو  
 سزا دینے کا ارادہ کیا لیکن بے پال نے پہلے ہی کافی تیاری کر لی تھی۔ اس نے  
 لاہور آتے ہی قنوج کے راجہ کورمیر ٹھہ کے راجہ دہرم دت متھرا و ہابن کے راجہ  
 کلیان چند۔ کانجر کے راجہ یاجی راو۔ مالوہ کے راجہ منج اور اجمیر و گجرات و گوالیار کے  
 راجاؤں کو خطوط لکھے کہ مسلمانوں کا استیصال نہایت ضروری ہے اور ہماری  
 سب کی خیر اسی میں ہے کہ سب مل کر حدود پنجاب سے باہر ہی سبکتگین کو کچل دیں۔  
 اگر وہ پنجاب میں داخل ہو گیا تو پھر اس کا روکنا دشوار ہوگا۔ اس آواز پر سب نے  
 لبتیک کی آواز بلند کی سبکتگین ابھی لمغان تک ہی پہنچا تھا۔ کہ بے پال اپنی اور تمام  
 مذکورہ بالا راجاؤں کی افواج کا ٹڈی دل لے کر دریائے اٹک عبور کرنے کے بعد  
 سبکتگین کے مقابل جا پہنچا۔ سبکتگین اس پیشار فوج کو دیکھ کر حیران رہ گیا مگر بہت  
 اور حوصلہ کو کام میں لا کر اس شجاعت اور خوبی کے ساتھ اپنی مٹھی بھر فوج سے دشمن کے  
 لائق اور لشکر کا مقابلہ کیا کہ ہندوؤں کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ راجہ بے پال  
 اس مرتبہ پھر گرفتار ہوا۔ اب سبکتگین کا حق تھا کہ وہ راجہ کو قتل کر دیتا مگر اس عفو و درگزر

کے پتلے نے راجہ کے الحاح و عاجزی اور طلب معافی پر پھر اس کو چھوڑ دیا اور اس ساز و سامان کو جو ہندوؤں کی شکست خوردہ فوج میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئی تھی کافی تاوان جنگ سمجھا اور صرف پندرہ ہندو قیدی بطور برغمال اپنے ہمراہ لے کر غزنی کو لوٹ گیا۔ جے پال کو باجگذاری اور فرمانبرداری کا عہد لیکر لاہور کی طرف رخصت کر دیا۔ سبکتگین غزنی تک نہ پہنچا تھا کہ راستہ ہی میں فوت ہو کر بہشت بریں میں پہنچ گیا۔ اس لڑائی کا ایک قابل تذکرہ نتیجہ یہ بھی تھا کہ پشاور تک کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل ہو گیا۔ یہ لڑائی ۹۹۷ء میں ہوئی۔ جے پال نے لاہور آکر پھر بدعہدی کی اور سبکتگین کے بیٹے اور جانشین محمود کی خدمت میں مقررہ موعودہ خراج بھیجنے کی بجائے لڑائی کی تیاری میں مصروف ہو گیا ہندوستان کے اجاؤنکی فوجیں پھر اپنی مدد کے لئے بلوائیں اور گذشتہ شکستوں کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ انتظام اور مضبوطی کے ساتھ بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل لے کر ستائیس ہزار پشاور پر حملہ آور ہوا۔ محمود صرف دس ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ پشاور کے قریب مقام وہینڈ پر لڑائی ہوئی اور عجیب اتفاق ہے کہ اس مرتبہ بھی بیالیس ہزار ہندوؤں نے دس ہزار مسلمانوں سے شکست کھائی۔ راجہ جے پال تیسری مرتبہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوا۔ اس مرتبہ بھی راجہ نے اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا اور خراج دینے کا وعدہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی۔ محمود نے اپنے باپ کی سنت پر عمل کیا اور اس درخواست کو منظور فرما کر راجہ کو چھوڑ دیا۔ اب کی مرتبہ راجہ کو کچھ ایسی غیرت آئی کہ لاہور واپس آنے ہی تشائل یعنی پھوس کی آگ میں گر کر اپنے آپ کو جلا دیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا آنند پال راج گدی پر بیٹھا۔ آنند پال نے کچھ دنوں محمود کو اپنے باپ کے اقرار کے موافق خراج ادا کیا۔ محمود بھی آنند پال یا اس کی ریاست سے مطلق معترض نہ ہوا۔ آنند پال نے



دو برس تک اُدھر محمود کو اپنی ہوا خواہی کا یقین دلا کر مطمئن رکھا۔ اُدھر ہندوستان کے تمام راجاؤں کو خط و کتابت اور سفارتوں کے ذریعہ اپنا شریک و معاون بنا کر محمود کے مقابلہ کے لئے جنگ کی تیاری کرتا رہا۔ بڑے بڑے پٹنوں اور اُپدیشکوں نے ملک کا دورہ کر کے اپنے ویاکھیانوں سے تمام ہندوستان کو مشتعل کر دیا۔ یہاں تک کہ ماؤں نے اپنے بیٹوں اور بیویوں نے اپنے شوہروں کو خود ترغیب دے کر لڑائی کے لئے بھیجا۔ عورتوں نے اپنے تمام زیورات اتار اتار کر ضروریات جنگ کیلئے پیش کر دیئے اور سوت کات کات کر روپیہ فراہم کرنے اور فوجی خزانہ کو امداد پہنچانے میں تامل نہیں کیا۔ انڈیا پال کی کوششوں سے تمام ہندوستان مسلمانوں کے خلاف جہاد پر آمادہ ہو گیا۔ مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ انڈیا پال نے محمود کے خلاف جنگ کو مذہبی جنگ قرار دیا اور محمود کا باجگزار ہونے کی حالت میں باغی بن کر ایسی خطرناک اور زبردست تیاریاں کیں اور ہندوستان کی تمام مالی اور فوجی طاقت کو ایک مرکز پر جمع کیا کہ اُس کے ذریعہ نہ صرف محمود بلکہ افغانستان کے پہاڑوں تک کا پس کر سہ ماہ کیا جانا ممکن نظر آتا تھا۔ ملک کی مال و دولت اور عورتوں کے طلائی و نقرتی زیورات کے انبار انڈیا پال کے پاس فراہم۔ جنگجو لوگوں کا ٹڈی دل بھی اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا۔ پنجاب کی عظیم الشان فوجوں کے علاوہ دہلی۔ گوالیار۔ کانپور۔ قنوج۔ اجمیر۔ کشمیر۔ کانگرہ۔ گجرات۔ مالوہ وغیرہ کی افواج بھی موعہ ساز و سامان انڈیا پال کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ سترہ برسوں میں یہ فوجی سمندر موجیں مارتا ہوا ایشیا کی طرف بڑھا۔ اُدھر محمود نے بھی اس چڑھائی کی خبر سن کر لڑائی کے لئے تیاری کی اور ایشیاور کے قریب ہندوؤں کے لشکر کا استقبال۔ دونوں فوجیں چالیس روز تک ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن رہیں۔ بالآخر ہندوؤں نے محمود کے لشکر پر حملہ کی ابتدا کی اور محمودی لشکر کے کیمپ میں گھس کر ہنگامہ زد و خرد گرم کیا۔

طرفین سے کوششوں میں کمی نہیں ہوئی۔ اس کو اتفاقاً امر سمجھو یا مسلمانوں کی بہادری کہو۔ کہ ہندوؤں کو اس مرتبہ بھی مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ناکانی کی ذلت حاصل ہوئی۔ انڈیا پال نے پھر اپنے باپ کی سنت پر عمل کیا یعنی معافی کا خوشگوار ہوا محمود نے اس سے فرما کر واری اور باجگزار می کا اقرار لے کر رکھا اور اس جگہ ایک منصف مزاج اور عقلمند شخص کو سوچنا چاہئے کہ ابھی تک محمود دریائے اٹک سے اس طرف نہیں اُترا۔ پنجاب کے راجا اور ہندوستان کے تمام راجاؤں نے مل کر چار مرتبہ مسلمانوں پر چڑھائیاں کیں اور کیسی کیسی بد عہدی، بے وفائی اور دشمنی کا ثبوت دیا۔ مسلمانوں نے اپنے ملک کی حدود سے باہر ابھی تک قدم نہیں رکھا۔ اپنے ہی ملک میں حملہ آور ہندوؤں کو شکست دے دے کر لوٹایا۔ مسلمانوں کی طرف سے کس قدر عفو۔ درگزر اور مراعات کا برتاؤ ظہور میں آیا۔ یہ تمام واقعات جو مذکور ہوئے تمام مستند تاریخوں میں مسطور و موجود ہیں۔ مگر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ آج محمود کے حملوں کی تعداد بڑھانے کے لئے اس کی ہر ایک مدافعت لڑائی کو ایک حملہ قرار دیا جاتا ہے۔

نامد زمن گنا ہے و شرمندہ ام ز تو

بر قتل چشم اری و پیت بہانہ نیست

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آٹھویں جے پال نے جو اپنے عہد نامہ کی رو سے محمود کا محکوم و فرمانبردار و باجگزار تھا بغاوت اختیار کی پھر یہی نہیں کہ نافرمان بننے اور حلقہ اطاعت سے باہر ہو جانے پر اکتفا کیا ہو۔ بلکہ حملہ کی ایسی تیاریاں کیں کہ کالجی جیسے دور دراز مقام تک راجاؤں کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور دریائے اٹک کو

۱۵ تاریخ یعنی تاریخ فرشتہ سے لے کر راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند کی تاریخ آئینہ تاریخ نما تک شہادت حاصل کی جاسکتی ہے۔



عبور کر کے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ محمود کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ محمود اس حملہ کو روکنا اور حملہ آوروں کو اپنے ملک کی حدود کے اندر شکست دے کر اپنے ملک سے خارج کرنا اور گرفتار شدہ دشمن کو بھی اپنی سپہرچی اور بلند ہمتی کا اعلیٰ نمونہ دکھا کر چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اس کو محمود کا پہلا حملہ قرار دیا جاتا ہے اور اس کا سبب محمود کا شوقِ غارتگری بتایا جاتا ہے جس طالبِ العلم سے یہ سوال کروا کر ستائش کا کوئی مشہور واقعہ بتاؤ تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس سفید جھوٹ کو آئنا و صدقنا کہتے ہوئے آج کل نوجوان محمود کو غارت گرتا ہے ہیں۔ حالانکہ محمود کی خطا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے ملک میں سفر کرتا ہوا پشاور تک اس فرج کے روکنے کے لئے آیا جو کابلختر تک سے چل کر چودہ سو میل مسافت طے کر کے پشاور تک پہنچ گئی تھی۔ کیا محمود کے اس عجیب و غریب قسم کے پہلے غارتگرانہ حملہ سے بڑھکر بھی کوئی عجیب و غریب بات پیش کی جاسکتی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں! اس سے بڑھکر حیرت کی بات سُنو۔ اندھ پال نے جو محمود کا باجگزار تھا کس طرح تمام ہندوستان کو آماؤہ جنگ بنایا اور کس طرح محمود کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ اوپر پرٹھ چکے ہو۔ مگر اس کو محمود کا دوسرا غارتگرانہ حملہ قرار دیا جاتا ہے اور کوئی اتنا نہیں جو یہ دریافت کرے کہ اندھ پال کے حملہ کو محمود کا حملہ کیوں کہا جاتا ہے؟

درید جامہ یوسف کشیدن دامان

گنہ ز جانب سر پنجه ز لیخانیست

محمود در حقیقت اپنی حدود سلطنت بلخ و بخارا و سمرقند کی طرف وسیع کرنا چاہتا تھا چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنی تمام تر توجہ اسی طرف منعطف کی تھی۔ اسی طرح اس کے باپ سبکتگین نے بھی کبھی ہندوستان کا لالچ نہیں کیا۔ بلکہ ہندوستانی سرحدوں پر امن و امان قائم رکھنے اور اس طرف سے بے وفائی کرنے

کے لئے سبکتگین نے راجہ جے پال کے حملوں کو روکنے اور اُس کو شکست دینے کے بعد ہر مرتبہ اُس سے صلح کر کے اُس کا ملک اُسی کے پاس رہنے دیا۔ شیخ حمید لودی سے بھی جس کی ریاست کو ہندوؤں نے اپنی اغراض کی وجہ سے باقاعدہ ریاست تسلیم کیا تھا صلح کا عہد نامہ کر لیا۔ جے پال نے جب پہلی مرتبہ سبکتگین پر حملہ کیا ہے تو اُس وقت وہ بخارا کی طرف متوجہ تھا۔ سبکتگین اور محمود دونوں باپ بیٹے ترکستان کی طرف بڑھنا اور پھیلنا چاہتے تھے۔ مگر اس کا کیا علاج ہو سکتا تھا کہ جے پال اور اُس کے بیٹے اُنڈ پال نے بار بار کی بد عہدیوں اور بار بار کی حملہ آوریوں سے اُن کو اُس طرف پورے طور پر متوجہ نہ ہونے دیا۔ اور محمود کو مجبور کر دیا کہ وہ پنجاب و ہندوستان میں داخل ہو کر اُن لوگوں کو درست کرے جو بار بار جمع ہو کر اُس کے ملک پر چڑھتے اور امن و امان میں خلل ڈالتے تھے۔

بجود بوقتِ ذبح پیدن گناہ من

والسنہ و ثنہ تیز نہ کرن گناہ کیست

کیا کوئی منصف مزاج یہ تجویز کر سکتا ہے کہ محمود جس پر کانگرہ قنوج اجمیر مالوہ متھرا۔ کالنجر کے راجہ تین مرتبہ جے پال اور اُنڈ پال کے ہمراہ بلاوجہ حملہ آور ہو چکے تھے اُن لوگوں کو سزا نہ دیتا۔ اگر وہ اپنی مسلسل و متوالی چشم پوشی و درگزر کے بعد بھی ان لوگوں کی خیرہ چشمی اور حملہ آوری کو روکنے کے لئے ان پر حملہ نہ کرتا اور ان کے حملوں کے جواب میں اپنی طاقت کا اظہار نہ کرتا تو یقیناً مدبروں کا پاؤ شاہوں کی مجلس میں محمود مجرم قرار دیا جاتا اور پھر اُس کے ملک و سلطنت کے قیام کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہتی کیونکہ اس کے بعد خدا جانے اور کیسے کیسے عظیم الشان متفقہ حملے اُس پر ہوتے۔ بنا بریں محمود نے اُنڈ پال کے



عظیم الشان حملے اور مقابلے سے فارغ ہو کر اور یہ سوچ کر کہ اندپال اپنے عہد  
فرمانبرداری پر اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جبکہ اس کے حمایتیوں کا زور توڑا  
جاتے۔ پہلی مرتبہ دریائے اٹک کو عبور کیا اور پنجاب میں جو اس کے باجگزار  
اندپال کا علاقہ تھا کسی قسم کا نقصان پہنچاتے بدوں گذرنا ہوا کشمیر و کانگڑہ  
وغیرہ کے پہاڑی راجاؤں کے سر پر پہنچا اور ان کو سزا دے کر اور قراطاعت  
لے کر واپس ہوا۔ بھیرہ کے راجا سے بھی سالانہ خرچ اور فرمانبرداری کا اقرار  
لے کر اور اس طرح اندپال کے قریبی معاونوں کو اپنے اس سفر میں ٹھیک بنا کر  
واپس چلا گیا۔ محمود کے جاتے ہی بھیرہ کا راجا پھر باغی ہو گیا اگلے سال محمود کو  
پھر اس کی سزا دہی کے لئے آنا پڑا اور فوراً واپس چلا گیا۔ جے پال اور سبکتگین  
کے عہد میں شیخ حمید ملتان کا فرمانروا تھا جس نے جے پال کی شکست اور  
اقرار طاعت کے ساتھ ہی سلطنت غزنی کی اطاعت کا اقرار نامہ لکھ دیا تھا۔  
حمید لودی کے بعد اس کا بیٹا اور اس کے بعد شیخ حمید کا پوتا ابو الفتح لودی ملتان کا  
حاکم تھا۔ اندپال نے موقع پا کر ابو الفتح کو بہکا کر محمود کی مخالفت پر آمادہ کیا  
اور دونوں نے بل کر بہت بڑی لڑائی کا انتظام کر لیا۔ محمود کو جب اندپال  
اور ابو الفتح کی ان تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے اندپال کو راہ راست پر  
لانے اور اس کی وفاداری کا امتحان کرنے کے لئے لکھا۔ کہ ابو الفتح نے بغاوت  
اختیار کی ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ تم اس کی سرکوبی کرتے۔ لیکن اب سلطان لشکر  
ابو الفتح کی سزا دہی کے لئے تمہارے ملک میں ہو کر گذرے گا تم کو لازم ہے کہ  
اپنے عہد نامہ کے موافق اس لشکر کی رسد رسانی کا انتظام کرو۔ مگر اندپال تو خود  
ابو الفتح کا محرک تھا اس نے اس حکم کی مطلق پرواہ نہ کی اور علانیہ محمود کے مقابلہ  
کے لئے تیار ہو گیا چنانچہ محمود نے چڑھائی کی۔ اندپال مقابلہ میں شکست پا کر

کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ محمود کو موقع تھا اور اس کا حق تھا کہ وہ پنجاب پر قبضہ کر لیتا لیکن اس نے اندر پال کے بیٹے جے پال ثانی کو بلا کر لاہور کا راجہ بنا دیا اور لاہور کے ہندو حکمران خاندان کو سناٹا نہ چاہا۔ لاہور سے فارغ ہو کر ملتان کی طرف روانہ ہوا وہاں ایک ماہ ہفتہ ملتان کا محاصرہ کرنا پڑا۔ ابوالفتح نے عنوق تقصیر کی درخواست اور گرانقدر سالانہ خراج کا اقرار کیا۔ محمود ابوالفتح کی درخواست منظور فرما کر غزنی کو روانہ ہو گیا۔ دو برس تک ابوالفتح اپنے اقرار پر قائم رہا اس کے بعد جے پال ثانی اور دوسرے ہندو راجاؤں کی پشت گرمی اور ان کے ابھارنے سے ابوالفتح پھر آمادہ سرکشی ہوا۔ اب کی مرتبہ محمود نے حملہ کر کے ابوالفتح کو قید اور ریاست ملتان کو اپنے قلمرو میں شامل کر لیا۔ ہندوستان میں محمود کا یہ سب سے زیادہ اہم اور قابل تذکرہ کام ہے۔ کہ اس نے سب سے پہلے ایک مسلمان ریاست کو اپنی سلطنت میں ملایا اور ایک مسلمان حکمران خاندان کو مٹایا۔ اس جگہ غور و تامل کی ضرورت ہے کہ محمود غزنوی جس کو ہندوؤں کا دشمن، مذہبی دیوانہ اور غارتگر بتایا جاتا ہے ہندو حکمران خاندانوں اور ہندو ریاستوں کو کس طرح قائم رکھتا ہندو راجاؤں سے کس طرح اقرار اطاعت لے لے کر درگزر فرماتا اور اپنے ہم مذہب یعنی مسلمانوں پر کس طرح ہاتھ صاف کرتا ہے۔ جے پال ثانی کو اس کی ریشہ و اینوں اور سازشوں کی محمود نے کوئی سزا نہیں دی۔ بلکہ چشم پوشی کے ساتھ گزر گیا۔ پہاڑی راجہ جو جے پال ثانی کے لئے سرکشی کی ترغیب کا موجب بن رہے تھے۔ محمود نے ان کو سزا دینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ پہاڑی راجاؤں کی سرکوبی کیلئے دوبارہ پھر آیا۔ اس مرتبہ جبکہ محمود اپنا لشکر لے ہوئے پہاڑوں کے دروں میں گھسا ہوا ہندو راجاؤں کی مزاج پرسی کر رہا تھا۔ جے پال ثانی نے



بہت بڑا لشکر جمع کر کے پوری مضبوطی اور تیاری کے ساتھ محمود کو دامن کوہ میں  
 پہنچانے کے لئے کاراواہ کیا۔ محمود بے پال ثانی کے اس ارادہ سے واقف ہو کر لوٹا  
 اور دریائے گھاگرا سے نکل کر بجلی کی طرح بے پال ثانی کے لشکر پر آ پڑا۔ لاہور کے  
 قریب بہت زور شور کی لڑائی ہوئی۔ بے پال ثانی شکست کھا کر مغرب کی سمت  
 بھاگا۔ محمود نے لاہور پر قبضہ کیا اور اپنے غلام ایاز کو لاہور کا حاکم مقرر کر کے  
 بے پال ثانی کے تعاقب میں جس نے بھاگ کر اور راولپنڈی پہنچ کر کچھ بہت بڑی  
 فوج مقابلہ کے لئے فراہم کر لی تھی روانہ ہوا۔ راولپنڈی میں بھی بے پال ثانی نے  
 سلطان لشکر سے شکست کھائی اور اجمیر کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ اب مجبوراً  
 محمود کو پنجاب پر قبضہ کرنا پڑا۔ چنانچہ اسی زمانہ سے پنجاب سلطنت غزنی کا  
 صوبہ بن گیا۔ اور پہلا گورنر اس صوبہ کا ایاز کشمیری مقرر ہوا جس نے شہر لاہور کی  
 آبادی اور پنجاب کی سرسبزی میں خوب اظہارِ قابلیت کیا۔

اب جبکہ پنجاب و بلتستان و غزنی میں شامل ہو گیا اور ملک میں پوسے  
 طور پر امن و امان بھی قائم ہو چکا تو ہندوستان میں اعمالِ محمودی کا ایک نیا دور  
 شروع ہوا یعنی محمود نے (۱) متھرا (۲) قنوج (۳) کانپور (۴) اجمیر (۵) سوات پور  
 حملے کئے۔ اب تک تو محمود ہر اعتبار سے سر پر محمود ہی نظر آیا ہے۔ لیکن ان مذکورہ  
 مقامات پر اس کے حملے بظاہر اس کو انگشت نما بنا سکتے اور اس کے ناانصاف  
 نکتہ چینیوں اور دشنام دہندوں کی زبانوں میں طلاق اور دلوں میں  
 جوش پیدا کر سکتے ہیں۔ لہذا اس شخص کو جو حقیقت آشنا بننا چاہتا ہے خالی الذہن  
 ہو کر مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنا چاہئے۔

۱۔ جبکہ محمود اور ہندوؤں کے ملکوں کے درمیان سلسلہ کوہ سلیمان  
 حائل تھا اور اس کو ہندوؤں کے حملوں کا بہت ہی کم خوف ہو سکتا تھا۔ اس

حالت میں ہندوؤں نے کتنی مرتبہ بلا کسی معقول اور جائز سبب کے اس کے ملک پر بے درپے حملے کئے۔ اب جبکہ پنجاب و ملتان کے صوبے اس کی قلمرو میں شامل ہو گئے تھے اس کے ملک کی کوئی ایسی قدرتی سرحد نہ تھی کہ حملہ آور کو تامل ہو سکے۔ لہذا پنجاب و ملتان کے صوبوں کا امن و امان معرض خطر میں تھا اور محمود مجبور تھا کہ ان راجاؤں پر اپنا رعب قائم کرے جن کے علاقے محمود کی حدود کے متصل تھے اور جو موقع پا کر آسانی اس کے مقبوضہ علاقہ پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔

۲۔ ملتان اور اس کے نواح میں تھوڑی مسلمان رعایا ضرور موجود تھی۔ لیکن باقی تمام ملتان و پنجاب کے صوبوں کی رعایا ہندو تھی۔ جو بڑی آسانی سے ہندو راجاؤں کی سازش میں شریک ہو کر ان کے حملوں کو کامیاب و سرسبز بنا سکتی تھی اور مسلمان باوجود فاتح اور حکمران ہونے کے پنجاب کے اندر خطرہ کی حالت میں تھے۔

۳۔ وہ راجا جو ہزار ہزار اور ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار میل کا سفر طے کر کے اپنی فوجیں کئی مرتبہ پشاور تک لایچکے تھے ان کے لئے اب پنجاب کی سرحد تک فوجوں کا چرٹا لانا بہت ہی آسان تھا۔

۴۔ جو راجا کئی مرتبہ محمود کے گریچھ چڑھ کر جا چکے تھے۔ کیا محمود کا حق نہ تھا کہ وہ ان کے گھر پر چڑھ کر باتا اور اس دولت کی تلافی کرتا جو اس کے ہوا با چرٹائی نہ کرنے سے اس پر عائد ہو سکتی تھی۔

۵۔ جو ہندو راجا اس کے اور اس کے باپ کے تباہ کر دینے کی کوششیں میں ایک سے زیادہ مرتبہ پہلے متحد و متفق ہو چکے تھے۔ اب کونسا امر نافع تھا کہ وہ پھر محمود کی بربادی کے لئے متحد و متفق نہ ہوتے۔ اس خطرہ سے محمود بچتا



اس کے اور کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا تھا کہ ہر ایک پر حملہ آور ہو کر اپنا  
 رعب قائم کرے۔ ان کی طاقت کو توڑے یا اگر موقع ہو تو ان کی حمایت کے  
 اور ان پر احسان فرمائے تاکہ ان کو اپنا ہمدرد بنائے۔ چنانچہ محمود نے یہ سب کام  
 نہایت ہی سلیقہ کے ساتھ کیے۔

۱۔ محمود اس بات سے واقف تھا کہ ہندو واعظوں اور برہمنوں کو  
 اس کی مخالفت کے لئے تمام ملک کو براہِ گنجتہ کر دینے میں کس قدر قدرت  
 حاصل ہے کیونکہ انہیں پالنے والوں اور لیکچراروں کے ذریعہ ہی چند روز میں  
 تمام ملک کو جتنی کہ عورتوں تک کو محمود کی مخالفت میں مصروف عمل کر دیا تھا۔  
 ان برہمنوں اور آپدیشکوں کے مرکز اور صدر مقام متھرا قنوج۔ کانگرہ سومناٹھ  
 وغیرہ تھے اور ان مقامات کے منادز ان کے سازش خانے اور دفتر تھے۔ نیز ان  
 مقامات میں ہندوؤں کی ریاستیں اور حکومتیں بھی قائم تھیں مندروں کے جمع شدہ  
 خزانوں کو مسلمانوں کی تباہی کے لئے خرچ کر دینا جائز اور بہترین مصرف قرار دیا  
 گیا تھا پس محمود مجبور تھا کہ بعض ایسے مندروں پر جن میں اس کی تباہی کے لئے  
 ہر قسم کا سامان دیا تھا حملہ کرے چنانچہ محض اسی بنا پر اس نے متھرا کے بعض مندروں  
 میں مداخلت کی اور سومناٹھ کے مندر پر حملہ کیا۔ آج بھی اگر کوئی مندروں اور  
 مدرسوں کو گورنمنٹ کے خلاف سازشوں کا مرکز بنائے تو گورنمنٹ ان مقامات  
 میں مداخلت کرنے اور ان کے اندر رہنے والوں کو گرفتار کرتے ہیں تا مل  
 نہ کرے گی۔

۲۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ محمود متھرا اور کانگرہ سے تو جنگی قیدیوں کو  
 غزنی لے گیا لیکن پنجاب کی لڑائیوں میں جو ہندو سپاہی گرفتار ہوتے ان کو  
 اس نے ہمیشہ چھوڑ ہی چھوڑ دیا۔ جلاوطن کر کے غزنی نہیں لے گیا۔ بات یہ ہے کہ

وہ انہیں لوگوں کا دشمن تھا جو اس کے خلاف لوگوں کو برا لکھتے اور امن و امان میں خلل ڈالنے کے لئے سازشیں کرتے تھے۔

محمود نے پنجاب کی حدود سے آگے بڑھ کر متھرا کے راجہ کو جے پال و انند پال کے ساتھ مل کر سلطنت غزنی پر چڑھائی کرنے قرار واقعی سزا دی۔ درحقیقت اسی کو محمود کا پہلا حملہ کہا جاسکتا ہے جو اس نے متھرا کے راجہ پر چڑھایا کیا۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ متھرا ہی کے آپریشنک تھے جنہوں نے تمام ہندوستان کو محمود کے خلاف بھڑکانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔

اس کے بعد قنوج کے راجہ کانہر تھا چنانچہ جب محمود قنوج پہنچا تو قنوج کا راجہ اپنے گلے میں دوپٹہ ڈال کر اور مجرموں کی صورت بنا کر محمود کے سامنے آکھڑا ہوا۔ محمود اور اس کے باپ سبکتگین کی غمخورد گزر تمام ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھی۔ جے پال اور انند پال کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس سے قنوج کا راجہ بخوبی واقف تھا چنانچہ راجہ کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ محمود نے اس کے ساتھ نہایت شریفانہ اور دوستانہ سلوک کیا۔ اس کے ملک و مال اور کسی چیز سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ آٹھ دن تک راجہ کا ہمان رہا اور اس کو اپنے اخلاق کا گرویدہ بنا کر آٹھویں دن رخصت ہو کر واپس چلا آیا۔ اگر محمود ویسا ہی ہوتا جیسا کہ آج بلا دلیل اس کی تصویر ہمارے سامنے کھینچی جاتی ہے تو وہ قنوج کے راجہ سے ایسی شفقت اور محبت کا برتاؤ ہرگز نہ کرتا اور قنوج کے مندروں کو مسمار کئے بدوں اور قنوج کے لوگوں کو لونڈی غلام بنا کر بھراہ لئے بڈل ہرگز نہ لٹتا اور آٹھ دن تک راجہ کا ہمان نہ بنا رہتا۔ اور اس طرح اپنی انتہائی یگانگت اور محبت کا ثبوت نہ دیتا۔ درحقیقت قنوج کے راجہ ایسی موافقت کا ہوجانا اغراض محمودی کے لئے نہایت اہم اور ضروری بات تھی۔ اب اس کو

پنجاب کے امن و امان کی نسبت بہت کچھ اطمینان ہو گیا۔

اس کے بعد محمود کو ایک مرتبہ اور مشرق کی طرف سفر کرنا پڑا اس کا یہ سفر بظاہر اغراض ملکی کے لئے نہ تھا۔ بلکہ شرطِ شرافت اور اخلاقی بنا پر تھا یعنی کالنجر کے راجہ نے محمود کے دوست ہمارا راجہ قنوج پر حملہ کیا اور محمود اپنے دوست کی حمایت کے لئے غزنی سے دو منزلہ اور سہ منزلہ بیٹھا کرتا ہوا روانہ ہوا۔ راستہ میں سنا کہ قنوج کا راجہ کالنجر کے راجہ سے لڑ کر مارا گیا محمود کو اب دو سبب سے کالنجر پر حملہ آور ہونا ضروری ہوا اول تو قنوج کے راجہ کا انتقام لینا۔ دوسرے کالنجر کے راجہ کا وہ قرضہ اتارنا کہ وہ سلطنت غزنی پر جے پال و انند پال کے ہمراہ فوجیں لے کر چڑھا تھا۔ اگر محمود اس مرتبہ کالنجر پر حملہ آور نہ ہوتا تو کالنجر کے راجہ کا قنوج کے راجہ کو محمود کی دوستی کی وجہ سے قتل کر دینا وہ اثر پیدا کر چکا تھا کہ تمام ہندو کالنجر کے راجہ کو اپنا سپہ سالار اعظم بنا کر ضرور پنجاب پر حملہ آور ہوتے لیکن محمود جب کالنجر پہنچا تو کالنجر کے راجہ کو وہی کام کرنا پڑا جو قنوج کے راجہ نے کیا تھا چنانچہ محمود اس کی جان بخشی اور ملک بخشی کر کے واپس چلا آیا۔ اگر کسی کے سر میں مانع ہے اور دماغ میں عقل بھی ہے تو وہ سوچے اور غور کرے کہ کیا یہی اس لٹیرے محمود کے وہ حملے ہیں جن کو ڈاکہ زنی اور مذہبی جنون کے نام سے تعبیر کیا جاتا اور لوٹ مار کے شوق کا نتیجہ ٹھیرایا جاتا ہے۔

محمود کو مشرقی جانب سے بالکل اطمینان ہو گیا تھا۔ لہذا اس نے پھر کبھی بھول کر بھی پنجاب سے مشرق کی جانب قدم نہیں رکھا۔ اب صرف جنوب کی طرف سے اجمیر و مالوہ کے راجاؤں کا خطرہ باقی تھا۔ نیز ان کا وہ قرضہ بھی ادا کرنا رہ گیا تھا کہ تین مرتبہ جے پال و انند پال کے ہمراہ اس پر چڑھائی کر چکے تھے۔ ادھر جے پال ثانی نے بھی اجمیر کے راجہ نے اپنے یہاں پناہ دی تھی چنانچہ محمود نے



اول اجمیر پر حملہ کیا۔ اجمیر سے فارغ ہونے کے بعد صرف مالوہ و گجرات کی طاقت باقی تھی جس سے سندھ و بلتستان کے محمودی علاقے کو سخت خطرہ تھا اس لئے پٹن سومنات کو اپنے حملہ کے لئے اس واسطے انتخاب کیا کہ طاقت کا اصل مرکز وہی مقام تھا اور وہاں حملہ کرنے سے تمام گجرات و مالوہ جسید بے رُوح بن سکتا تھا چنانچہ محمود کا خیال صحیح ثابت ہوا جب وہ سومنات پہنچا ہے تو وہاں اجمیوں کی اتنی بڑی اور زبردست جمعیت موجود تھی کہ محمود کو ان کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا مالوہ کا راجہ بھی معہ اپنی زبردست فوج کے وہیں آ موجود ہوا۔ اگر محمود اول اجمیر پر حملہ کرتا تو سومنات کی مرکزی طاقت کی موجودگی میں اجمین کا فتح کر لینا اصل خطرہ کو ہرگز رفع نہیں کر سکتا تھا لیکن سومنات کی فتح کے بعد تمام مخالف طاقتوں کا یکمخت خاتمہ ہو گیا اور ہندوؤں کے پنڈتوں کی جو محمود کے خلاف لوگوں کو آمادہ جنگ بنانے کی کوششیں کرتے تھے زبانیں بند ہو گئیں ان صاف اور سپیدی باتوں کو یار لوگوں نے جس رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے اور بت شکنی کے متعلق جو جو عجیب و غریب داستانیں گھڑی ہیں ان کو بڑھکر بڑھی ہی حیرت ہوتی ہے اور عقل چرا جاتی ہے۔ اگر یہی واقع نگاری ہے تو کیوں نہ داستان امیر حمزہ اور فسانہ عجائب کو بھی تاریخی کتابوں کی فہرست میں داخل کیا جائے اور کیوں نہ ثنوی بد زئیر کو ہندوستان کی تاریخ کا ایک جزو قرار دیا جائے۔ وہ لوگ جو مستند سے مستند اور کسی زبردست سے زبردست روایت کو بھی جب تک کہ روایت سے اس کی تائید نہ ہونے کے لئے تیار نہیں۔ محمود کے معاملہ میں حیرت انگیز طور پر اعلیٰ درجہ کے سادہ لوح روایت پرست بن جاتے ہیں اور اپنی اہلی یا ابلہ فریبی پر ذرا نہیں شرماتے مثلاً وہ بڑے زور شور سے یہ روایت تو نقل کرتے ہیں کہ محمود نے اس پنج گزی مورت کے

سر پر اس زور سے گزرا کہ اس کے چار ٹکڑے ہو گئے اور اس کے اندر سے  
بیشمار جواہرات نکل پڑے ان چار ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا مکہ معظمہ اور ایک  
مدینہ منورہ بھی گیا۔ جہاں وہ ٹکڑے دروازوں کی سیڑھیوں میں نصب  
کئے گئے۔ لیکن ان امور پر غور فرمانے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے کہ

۱۔ سوم یعنی چاند کے مندر میں کوئی انسانی مورت ہو کرتی تھی یا نہیں؟

۲۔ سوم کے مندر میں شیو کا بت کھوکھلا ہو سکتا ہے یا اس کا ٹھوس

ہونا ضروری ہے؟

۳۔ مورت کے ان ٹکڑوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کسی نے دیکھا اور

کسی مصنف یا سیاح زائر نے کبھی ان کا وہاں موجود ہونا بیان کیا؟

۴۔ آج وہاں وہ ٹکڑے موجود ہیں یا نہیں۔ اگر موجود نہیں تو ایسی تاریخی

اور قابل تذکرہ چیز کے وہاں سے جدا ہونے کا حال ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ کس نے

کس زمانہ میں ان کو وہاں سے جدا کیا اور کہاں لے گیا اور کیا کیا وغیرہ؟

سومناٹ سے فارغ ہو کر اور اس نواح کے کئی راجاؤں کو اپنا مطیع و فرمانبردار

بنا کر سومناٹ کی حکومت راجپوتوں کی قوم دابی کے ایک سردار و ایشیم کے

سپر وکر کے راستہ میں سرکش قوموں کو سزا دیتا ہوا غزنی چلا گیا اور اس کے بعد

جلد ہی رگراتے عالم جاودانی ہوا۔ محمود نے قریباً تیس سال کے عرصہ میں

ہندوستان کے ان راجاؤں کو جو بلا وجہ اس کے ملک پر چڑھ چڑھ کر

جاتے اور اس کی تباہی و تخریب کے درپے رہتے تھے بالکل خاموش اور

سیدھا کر دیا۔ پنجاب و بلتان کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل کیا۔ اپنے

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ

تدابیر کو کام میں لایا۔ سرکشوں اور متمرّدوں کو مناسب سزائیں دیں۔ واقعہ سپند

لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا تاکہ اُس کے ملک کے امن و امان کو تباہ نہ کر سکیں۔ چنانچہ پونے دو سو برس تک پنجاب اُس کی اولاد کے زیر حکومت رہا اور کسی ہندو کو قطعاً جرات نہ ہوئی کہ پنجاب کی طرف ترچھی تکھی نگاہ سے دیکھ سکے حتیٰ کہ غزنی کا ملک جو اصلی ملک تھا اُس کی اولاد کے قبضہ سے پہلے نکلا اور پنجاب آخر تک اُن کے قبضہ میں رہا۔ یہ سب کچھ نتیجہ تھا محمود کی اُن عاقلانہ تدابیر کا جو اُس نے اپنے نو مقبوضہ ملک پنجاب کو محفوظ رکھنے کے لئے برتیں۔ محمود کو ملکوں کے فتح کرنے کا ہرگز شوق نہ تھا۔ اُس نے بلا وجہ کسی نہیں ستایا اور یہ ہو کیسے سکتا تھا کہ ایک طرف وہ اعلیٰ درجہ کا علم و دست۔ عاقل و منصف مزاج۔ خوش خلق اور بہادر ہو اور دوسری طرف اُس سے وہ حرکات سرزد ہوں جو عقل و اسلام کے خلاف ہوں۔ اُس نے کبھی کسی ہندو کو اس لئے قتل نہیں کیا کہ وہ اسلام کیوں قبول نہیں کرتا۔ وہ جس طرح ایک ہندو مجرم کو سزا دینا جانتا سمجھتا۔ اسی طرح مسلمان مجرم کو سزا دینے کے لئے ہر وقت آمادہ و مستعد نظر آتا تھا۔ ہندو مجرموں کے ساتھ اُس نے جس قدر رعایت کی ہے مسلمان مجرموں کو وہ رعایت حاصل نہیں ہو سکی۔ اگر ہندوؤں کا قتل کرنا ہی اُس کا مقصدِ عظیم تھا تو اُس کو کیا ضرورت تھی کہ فتوح و کالچر و سونما تھ کے دور و دراز اور خطرناک سفر اختیار کرتا پنجاب میں کیا تھوڑے ہندو تھے جو ہر طرح اُس کے زیر حکومت اور تحت و تصرف میں تھے اول انہیں کے بے خطر قتل سے اپنا دل بہلاتا اور جب پنجابی ہندو ختم ہو جاتے تب آگے بڑھتا اور دوسروں کی خبر لیتا۔ مگر کیا کوئی ثبوت کر سکتا ہے کہ محمود نے کسی ہندو کو پنجاب میں مسلمان ہونے کے لئے مجبور کیا اور کیا محمود اور اُس کی اولاد نے پونے دو سو برس میں پنجاب کے پونے دو ہندو خاندانوں پر یہی مذہب تبدیل کرنے کے لئے زور دیا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جنت پنجاب میں



مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی تو مسلمانوں کی آزادانہ آمد و رفت اس ملک میں شروع ہوئی۔ ملتان و سندھ کے علاقوں میں اسلام پہلے ہی سے پھیل رہا تھا اب پنجاب میں بھی اسلامی روشنی پھیلنی شروع ہوئی۔ پنجاب کے ہزار ہا نو مسلم خاندانوں کی اگر تحقیق کی جائے تو ایسا ایک بھی نہ نکلے گا جس کو محمود غزنوی یا اس کے جانشین پادشاہوں میں سے کسی نے مسلمان بنایا ہو۔ ستر یا سب کے سب ایسے ہوں گے جن میں کوئی حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف و اتانگنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے مسلمان ہوا۔ کسی کو حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان کیا۔ کسی کو کسی اور درویش یا عالم نے خدا شناسی کا طریقہ بتایا۔ چنانچہ پنجاب کے ٹوانوں کا مشہور و معروف راجپوت خاندان حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اسی طرح سیالوں اور لگھڑوں وغیرم کے بہادر و معزز قبیلوں کی حالت ہے جو کے زمانہ میں ہندو مسلمانوں کے درمیان سیاسی اغراض کی بنا پر کتنی ہی مخالفت ہو لیکن مذہبی منافرت جیسی آج موجود ہے۔ اس زمانہ میں غالباً نہ تھی۔ اور منافرت کی اس کمی کا باعث ہندوؤں کی خوش اخلاقی نہ تھی بلکہ مسلمانوں کی سیر چہل قدمی و رواداری تھی۔ فاتح مسلمانوں کو مفتوح ہندوؤں کی یہاں تک رعایت منظور تھی کہ وہ ان کو ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دینے اور ان کے ساتھ دوستانہ و شریفانہ برتاؤ کرنے پر آمادہ رہے۔ اس زمانہ میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ معزز فوجی عہدے ہوتے تھے۔ ہیرت ہوتی ہے کہ اسی محمود کی فوج میں جس کو ہندوؤں کے قتل کا شوقین بتایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے فوجی سردار ہندو نظر آتے ہیں۔ ان ہندوؤں کو جو آج کسی مسلمان عہدار کو موجودہ گورنمنٹ کے کسی محکمہ میں دیکھنا پسند نہیں کرتے یہ معلوم کر کے شرم

آنی چاہتے کہ اکبر و جہانگیر و شاہ جہان وغیرہ سلاطین مغلیہ اور لوہنی و سوری  
و تعلق و خلجی وغیرہ خاندانوں کے سلاطین افغانیہ کے بے شمار ہندو اعلیٰ  
عہدہ داروں کے علاوہ اُس محمود کی فوج میں بھی جس کو ہندوؤں سے بے حد  
تنفیر اور ہندوؤں کے قتل کا بے حد شائق بنایا جاتا ہے۔ راجہ تلک سپہ سالاری کا  
عہدہ رکھتا تھا جس کو بعد میں سلطان مسعود نے امیر الامرا کا خطاب بھی دیدیا  
تھا۔ سلطان مجرب بن سلطان محمود کے خلاف جب چند مسلمان امیروں نے  
خروج کیا تو سیوند رائے اپنے آقا کا حق نمک ادا کرتا ہوا مارا گیا۔  
سلطان مسعود کے زمانہ میں احمد نیا لتگین نے پنجاب میں بغاوت کی تو  
ناٹھ نامی ایک ہندو جنرل معقول جمعیت کے ساتھ مارا گیا تو راجہ تلک  
پسرے سنگھ بھیجا گیا۔ اور احمد نیا لتگین اُس کے مقابلہ میں مارا گیا۔ محمود کے  
زمانہ میں ایک اور ہندو سپہ سالار بچے راتے تھا جو بارگاہ محمودی میں رتبہ عالی  
رکھتا تھا خود اپنے آقا کے پاس سے کشمیر چلا آیا۔ سلطان محمود نے اپنے زمانہ میں  
اُس کو کشمیر سے بلوایا اور بڑی تکریم و قدر دانی کے ساتھ پیش آیا۔ یہ اور ان کے علاوہ  
اور بھی بہت سے ہندو تھے جو سلطان محمود کے جان نثار اور اُس کی اولاد کے  
وفاوار رہے۔ محمود اور محمود کے جانشینوں کی طرف سے ہمیشہ ہندوؤں پر پانی  
و شفقت کی بارشیں ہوتی رہیں۔ آج اس حقیقت پیرہ کو دروغ گوئی اور غلط فہمیوں  
کے غبار میں پوشیدہ کیا جاتا اور اس کے خلاف کالیقین دلایا جاتا ہے۔  
وہی محمود جس کو ہندوؤں سے اور ہندوؤں کی ہر ایک بات سے بلاوجہ  
عداوت رکھنے والا بنایا جاتا ہے اُس کے مسلمان مصاحب اور مسلمان ملازم  
ہندوؤں کے علوم و فنون اور ہندوؤں کے تمدن و معاشرت کی تحقیق میں اپنی  
عمر کے بڑے بڑے حصے صرف کر دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابوریحان البیرونی نے

ہندوستان میں سولہ سترہ برس رہ کر اور برہمنوں کے ہاتھ سے انواع و اقسام کی مُصیبتیں سہ کر اور بھیس بدل بدل کر سنسکرت زبان پر بھی ہندوؤں کی کتابوں کو مطالعہ کیا اور ہندوؤں کے تمدن، اخلاق، فلسفہ اور معاشرت وغیرہ پر ایک نہایت قیمتی اور بے نظیر کتاب کتاب الہند کے نام سے لکھی جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بیرونی کی تخریب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوؤں کی بے حد طرف داری کرتا ہے۔ آج ہندوؤں کے ہاتھ میں اپنی بہت سی حقیقی یا فرضی فضیلتوں کے ثبوت میں البیرونی کی کتاب الہند سے بڑھ کر دوسرا سامان موجود نہیں۔ کیا ہم اپنے ہندوؤں سے اس امر کی توقع کر سکتے ہیں کہ وہ محمود کے متعلق مذکورہ بالا حقیقتوں سے آگاہ ہو کر ٹھنڈے دل سے غور و تامل فرما کر جھوٹی کہانیوں اور فرضی افسانوں کو اسی حقارت کی نظر سے دیکھیں گے کہ جس حقارت کے وہ مستحق ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ محمود اپنے علم و فضل اور سچا پکا مسلمان ہونے کی وجہ سے جیسا اعلیٰ درجہ کا وسیع القلب اور بہادر تھا ویسا ہی اعلیٰ درجہ کا رحم دل اور منصف مزاج بھی تھا۔ چشم پوشی، درگزر، عفو وغیرہ صفات اُس میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوتے تھے۔ ہندوؤں کی اُس کو بے حد رعایت مد نظر تھی۔ محمود ہندوؤں کا جس قدر ہمدرد، ہوا خواہ اور مہربانی تھا اکبر بھی اس درجہ کو نہیں پہنچ سکا۔ اکبر نے اپنی غرض کے لئے یعنی ہندوستان کے طاقتور مسلمان پٹھانوں کے خطرہ سے اپنے خاندان کو بچانے کی غرض سے ہندوؤں کے حال پر مہربانیاں بندول فرما کر اُن کو اپنا ہوا خواہ بنایا اور جب موقع پایا تو مارواڑ کی ریاست کو زیر کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اکبر نے اپنے خاندان میں حکومت کو پائدار بنانے کے لئے اپنے ہم مذہب مسلمانوں کے



دوسرے خاندانوں کو تباہ کرنے میں تامل نہیں کیا اور اپنی اسی ذاتی غرض کے پورا کرنے کے لئے اپنے مذہب کے خلاف منافقانہ طریق اختیار کر کے ہندوانہ طور و طرز اختیار کیا۔ لیکن یہ تمام کارروائیاں اُس کے ضعفِ قلب اور چال بازی کی دلیل ٹھہرائی جاسکتی ہیں جن میں صداقت و راستی کا پورا پورا دخل نہ تھا۔ وہ جس طرح اپنی نوجوانی اور ابتدائی عہد حکومت میں ایک مسلمان نظر آتا اسی طرح اپنے مرض الموت اور بستر مرگ پر ایک مسلمان دیکھا گیا۔ اُس کی لائڈھی اور ہنود پرستی میں اغراض سلطنت پوشیدہ تھے اور ہندوستان کے طاقتور مسلمان یعنی پٹھان قبائل کی بیخ کنی و بربادی اُس کا مقصد اعظم تھا۔ اور اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اُس نے سب کچھ کیا۔ لیکن محمود نے ہندوؤں پر جوہر بانیاں کیں۔ ایک سچا مسلمان ہونے کی حیثیت سے کیں۔ اُس نے اپنے ضمیر کے خلاف منافقت سے کوئی کام نہیں کیا۔ اُس نے بے پال و انڈیا پال کے بیٹے کو پنجاب کی حکومت سپرد کی۔ اُس نے قنوج کے راجہ پراسان کیا اور اُس سے دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ پھر اُن تعلقات کو اعلیٰ سے اعلیٰ شرافت کے ساتھ نبایا کہ اُس کی امداد و حمایت کے لئے غزنی سے چلا اور کالنجرتاک پہنچا۔ اُس نے کالنجرتاک کے راجہ کو نیچا دکھا کر اپنی عالی و صلیگی کا نمونہ دکھایا۔ کہ اُس کا ٹکاک اسی کو دے دیا۔ اُس نے سو مناتھ کو اپنی جان پر کھیل کر منسوخ کیا اور پھر وہاں کی حکومت راجپوتوں کو جو جو ناگڈھ یا گرنار کے حکمران تھے دے دی۔ اُس نے مالوہ۔ اجپیر۔ متھرا۔ کشمیر۔ کانگڑہ۔ بھیرہ وغیرہ کے راجپوتوں کو شکستیں دیں۔ لیکن سزا دی ہی کے بعد پھر اُن کو اُن کے مالک پر بحال کر دیا۔ اُس نے ہندوؤں کو سپہ سالاریاں اور اعلیٰ عہدے دیئے۔ اُس نے ہندوؤں کے

علوم و فنون اور تمدن و اخلاق و معاشرت کی بے عزتی نہیں کی۔ اس نے مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں پر مہربانیاں کیں لیکن ان تمام کاموں میں وہ ایک سچا مسلمان تھا اور اس نے اکبر کی طرح کبھی کوئی منافقانہ حرکت نہیں کی۔ نہ کبھی ہندوؤں کو کوئی فریب دینا چاہا۔ مگر افسوس اور حسرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ محمود کو تمام پدیوں کا مجموعہ اور اکبر کو تمام خوبیوں کا سرچشمہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ

طالع شہرتِ رسوائی مجنون پیش است  
ورنہ طشتِ منشاں او ہر روز یکبارم افتاد  
شہاب الدین غوری

اب محمود کے بعد شہاب الدین محمد بن سام غوری کا نمبر آتا ہے۔ محمود کا ہندو راجاؤں پر رعب طاری ہو چکا تھا۔ کہ اس کے بعد باوجودیکہ سلطنت غزنی دم بدم کمزور بھی ہوتی گئی۔ مگر کسی ہندو راجہ کو اتنی جرأت نہ ہو سکی کہ اس کے جانشینوں سے پنجاب کے ملک کو چھین لینے کا قصد کر سکے۔ اطراف جوانب کے ہندو راجہ سلاطین غزنی اور حکام پنجاب کے ساتھ نیامندی اور دوستی کے تعلقات رکھتے تھے۔ اجمیر کے راجہ محمود ہی کے زمانہ سے سلطنت غزنی کے دوست چلے آتے تھے۔

اسی طرح ریاست قنوج کی وفاداری تو مستحکم ہی تھی۔ پنجاب اس پونے دو سو برس کے عرصہ میں ہر طرح اسلامی ملک بن چکا تھا۔ اسلامی اثر اور اسلام کی قبولیت کا یہ عالم تھا۔ کہ مٹھرا قنوج۔ بنارس۔ اجمیر اور وسط ہند سے بڑے بڑے معزز اور شریف راجپوت خاندان پنجاب آ کر مسلمان ہو چکے تھے اور یہ سلسلہ برابر جاری تھا۔ قنوج و اجمیر کی ریاستوں کے

تجارتی اور سفارتی تعلقات پنجاب کے ملک اور لاہور کے اسلامی دربار سے بہت گہرے اور قوی تھے۔ راجپوتوں کی پلٹیاں اور رسالے اسلامی لشکر میں موجود تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں کی زبان تک بھی اسلامی اثر سے متاثر ہوتے بدوں نہ رہی تھی۔ چنانچہ شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے اپنی کتاب آب حیات میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ پرتھی راج راسا جو چند کوی ہندی کے مشہور شاعر کی ۱۹۳۳ء کے قریب کی لکھی ہوئی ہندی نظم ہے۔ اس میں سلام پرور و گار۔ پیغام سلطان۔ دیوان خلق۔ فرمان حضرت وغیرہ الفاظ شامل ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں حیرت کی تو کوئی بات نہیں جبکہ ہندو مسلمان پونے دو سو برس تک ایک دوسرے سے مذکورہ بالا قومی تعلقات رکھ چکے تھے تو مسلمانوں کی زبان کے الفاظ کیوں نہ ہندوؤں کی زبان میں داخل ہوتے۔

سلاطین غزنی کے ہندوؤں کے ساتھ ہمیشہ خصوصی تعلقات رہے۔ جب غوریوں نے زور پکڑ کر غزنویوں کو دبایا تو غزنی کے آخری پادشاہ نے بجائے غزنی کے لاہور کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ کیونکہ یہاں اس کو امن و امانت کی زیادہ توقع تھی۔ ۱۱۹۱ء کے قریب علاؤ الدین غوری اور شہاب الدین غوری نے خسرو پر زبردست حملے کئے اور بڑی بڑی سخت لڑائیاں ہوئیں۔ ان لڑائیوں میں لگھڑوں کے قبائل نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے خسرو کی طرف سے خوب خوب داد شجاعت دی۔ انجام کا سلاطین غزنی کے تمام مقبوضات پر غوریوں کا تسلط ہو گیا۔ خاندان غزنی کے آخری سلطان یعنی خسرو کے عہد میں غوریوں کے ہنگامہ کی وجہ سے پنجاب کے بعض سرحدی علاقوں کے عمال خود مختار ہو گئے تھے۔ بلتان کا عامل



علی کرماج بھی خود مختار ہو گیا تھا۔ اسی طرح ہانسی اور سونی پت کا علاقہ جو جو محمود کی وفات کے بعد لکنؤ میں حکومت پنجاب میں شامل ہوا تھا۔ اس کے وہلی کے راجہ نے مناسب موقع پا کر قبضہ کر لیا۔ شہاب الدین غوری نے سلطان خسرو کی شکست و گرفتاری کے بعد نہ صرف پنجاب کے اس علاقہ پر قبضہ کیا جو خسرو کے تصرف میں رہ گیا تھا۔ بلکہ تمام اس علاقہ کو اپنا حق سمجھا جو قدیم سے سلاطین غزنوی کے زیر حکومت چلا آتا تھا۔ چنانچہ ملتان کے عامل علی کرماج کو بھی ملتان کا علاقہ شہاب الدین غوری کی نظر کرنا پڑا۔ شہاب الدین غوری نے علی کرماج کی قابلیتوں پر نظر فرما کر اس کو ملک پنجاب کا نائب السلطنت تو بنا دیا مگر ملتان کے علاقہ کو پنجاب کی حکومت غوری سے جدا رہنا گوارا نہ کیا۔ وہلی کے راجہ سے بھی وہ علاقہ طلب کیا گیا جو اس نے خسرو کے آخری زمانہ میں سلطنت پنجاب میں سے کتر لیا تھا۔ نیز اس سے خواہش کی گئی کہ وہ سلطان غوری کا اسی طرح ہوا خواہ و فرمان پذیر بنے جیسا کہ وہلی و جمیر و قنوج کے راجا سلاطین کے ہمدرد و باجگذار رہ کر تھے۔ چونکہ اب اجمیر و وہلی دونوں ریاستوں کا ملک وہلی کے ایک ہی راجہ کے زیر فرمان تھا اور اس کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی لہذا اس نے شہاب الدین غوری کے پیغام کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ غوری خاندان ابھی غزنویوں کو باسانی برباد کر چکا تھا۔ غزنویوں کے مقابلہ میں وہلی کا راجہ ایک بے حقیقت چیز سمجھا جاتا تھا۔ لہذا شہاب الدین وہلی کے راجہ کی موجودہ طاقت اور تیاری کا اندازہ کئے بدوں اس کی سزا دہی کو ایک معمولی سی بات سمجھ کر وہلی کی طرف بڑھا۔ لیکن اس کو جبرست ہوئی کہ پرتختی راج وہلی سے چل کر بڑی زبردست

جمعیت اور شامانہ ساز و سامان کے ساتھ تراوڑی کے مقام پر مقابلہ کیلئے  
 آڈٹا بڑے زور شور کی لڑائی ہوئی۔ شہاب الدین اپنے جوش تہور میں  
 اپنے سپہ سالاری کے فرائض کو فراموش کر کے ایک جانب سپاہی کی طرح  
 لڑنے لگا اور حریف کی صفوف کو کائی کی طرح چاک کرتا ہوا قلبیہ  
 دشمن تک جا پہنچا اور ایسا زخمی ہوا کہ بیوش ہو کر گھوڑے سے گر رہی  
 چاہتا تھا کہ ایک بہادر اور چالاک غلام نے فوراً گھوڑے پر اس کے  
 پیچھے سوار ہو کر اپنے آقا کو کوئی بھر کر گرنے سے روک لیا اور گھوڑے کی باگ  
 موڑ کر اس کو ایسا ہمیز کیا کہ صاف نکال کر لے گیا۔ فوج نے اپنے سردار کو  
 غیر موجود پا کر کشتہ تصور کیا۔ اور لڑائی میں جان نہ لڑائی۔ اس طرح اتفاقی طور پر  
 پر تھی راج نے فتح پائی۔ ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا ہندوؤں کو  
 اب تک کوئی بھی قابل تذکرہ فتح مسلمانوں کے مقابلہ میں نصیب نہیں ہوئی  
 تھی۔ یہ بھلا موقع تھا کہ اسلامی لشکر کو ہندوؤں کے مقابلہ میں ہزیمت حاصل  
 ہوئی۔ اس لڑائی سے شہاب الدین کو غیر معمولی ندامت اور پر تھی راج کو فخر و تکبر کا  
 موقع ملا۔ تمام ہندوستان میں پر تھی راج کی وھوم مچ گئی۔ اب تک قنوج کی  
 ریاست بوجہ اپنی قدامت اور عظمت کے تمام ہندو ریاستوں میں سر پروردہ  
 ریاست تھی۔ وہلی کی ریاست کو قنوج کی ریاست سے کبھی ہسری کا دعویٰ  
 نہیں ہوا تھا۔ اس فتح کے بعد پر تھی راج اپنے آپ کو سب سے بڑا راجہ  
 سمجھنے لگا اور ہندو خود بخود اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دو سال کے بعد  
 شہاب الدین غوری پر تھی راج کی مزاج پرسی کے لئے آیا۔ پر تھی راج کا کام  
 تمام کیے اس کی ریاست کو اپنی حکومت میں شامل کیا۔ اس طرح آئے دن کا  
 قصہ ہی پیکار آیا۔

شہاب الدین کو جو پہلی مرتبہ شکست ہوئی۔ اُس کی وجہ سے مسلمانوں کا وہ رعب جو ہندوؤں کے دلوں پر سینکڑوں برس سے چھایا ہوا تھا دور ہو گیا تھا۔ اور قنوج کا راجہ شہاب الدین کو جو ایک مرتبہ پر تھی راج سے ہزیمت بھی اٹھا چکا تھا مقابلہ میں شکست سے وینا ممکن سمجھنے لگا اسی لئے وہ شہاب الدین کی اطاعت پر رضا مند نہ ہوا۔ بلکہ اپنی اُس فضاہت و برتری کو جو اُس کو دہلی کی ریاست پر حاصل تھی قائم رکھنے کے لئے مقابلہ کی زبردست تیاری میں مصروف ہو گیا۔ ادھر شہاب الدین بغیر اس کے کہ طاقت کا اظہار کرے اور قنوج کے راجہ کو مقابلہ میں شکست دے کسی طرح اپنے مفتوحہ و مقبوضہ ملک میں امن و امان رکھ کر ہندو راجاؤں کے حملوں سے مطمئن نہیں رہ سکتا تھا۔ جیسا کہ محمود غزنوی کو بھی پنجاب میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے یہی تدبیر مجبوراً عمل میں لانی پڑی تھی چنانچہ شہاب الدین قنوج پر بڑھا۔ اُدھر سے قنوج کا راجہ جے چند بھی پوری طاقت سے مقابلہ پر آیا اور میدان جنگ میں قطب الدین ایک کے تیر سے مارا گیا۔ شہاب الدین کو اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہندوؤں کی بڑی طاقت فتح قنوج کے بعد زائل ہو چکی تھی۔ شہاب الدین کو ضرورت نہ تھی اور عقل کا بھی اقتضائے تھا کہ وہ اب اتنے تجربوں کے بعد بھی قنوج و دہلی کی ہندو ریاستوں کو پھر ہندوؤں کے اُس طرح سپرد کرتا جیسا کہ محمود غزنوی نے اٹندپال کو شکست دینے کے بعد پنجاب کی ریاست اُس کے بیٹے کو دے دی تھی۔ شہاب الدین غوری غزنوی کے خاندان کے علاقے اور غزنویوں کے تمام حقوق کو اپنا حق سمجھ کر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے دہلی اور قنوج سے صرف اُسی قدر خواہش کی تھی اور انہیں تعلقات اور اسی طرز عمل کا مطالبہ کیا تھا جو وہ غزنویوں کے ساتھ



رکھتے تھے اور اُس کا یہ مطالبہ ہرگز بے جا نہ تھا کیونکہ غوریوں کی سلطنت ہندوستان میں ہر طرح غزنیوں کی قائم مقام تھی۔ مگر ان راجاؤں نے اُس کے مقابلہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور اُس کی پاداش میں اپنی جانوں اور اپنی ریاستوں کو اپنے ہاتھوں خود ضائع کر کے سلطنت اسلامی کی حد کو پنجاب تک محدود نہ رہنے دیا۔ اس طرح ہندوستان میں ایک مستقل وسیع سلطنت مسلمانوں کی قائم ہو گئی۔

اب ایک سوچنے والا سوچے اور غور کرنے والا غور کرے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور اسلامی حکومت اس ملک میں قائم ہونے کے حالات جو مذکور ہوئے اُس میں مسلمانوں کی کس قدر اور کون کونسی خطا ہیں اور مذہب اسلام پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔

طعنہ برہمنی مرن ز اہد بہ پریس از گلخاں

پاک دامانی زندان گریباں چاک را

ہندوؤں کی حکومت برطرف ہو کر مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے اسباب سب کے سب بے ساختہ اور یکے بعد دیگرے پیش آنے والے واقعات کا ایک سلسلہ ہے اس سلسلہ میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہندوؤں کو صرف اس لئے فوج کیا جا رہا ہو کہ وہ ہندو کیوں ہیں۔ یا کو فتنہ مسلمان محض اس لئے ہندوؤں پر فوج لے کر چڑھا ہو کہ وہ اسلام میں کیوں داخل نہیں ہوئے۔ مسلمانوں کی کوئی بھی چڑھائی اور ایک بھی لڑائی ایسی نہیں ہوئی جس کا کوئی نہ کوئی ایسا سبب نہ ہو کہ اُس سبب کے واقع ہونے سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر اور ایک ہندو دوسرے ہندو پر چڑھائی کر سکتا تھا۔

یہاں تک ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور اسلامی سلطنت قائم ہونے کا مختصر حال بیان ہو چکا ہے۔ ۱۸۰۰ء تک چھ سو برس کے وسیع عرصہ میں مسلمانوں نے حکمران ہونے کی حیثیت سے ہندوؤں کے ساتھ کیسا سلوک کیا یہ ایک نہایت اہم حصہ ہے جو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کئے جانے کے قابل ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ کسی دوسری فرصت میں اس پر قلم اٹھاؤں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ اس وقت اس مضمون کو جو میں نے قلم برداشتہ بڑی عجلت میں لکھا ہے یہیں ختم کرتا ہوں۔ والسلام!

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

۱۸ فروری ۱۹۱۹ء

(۷۸۶)

# اشکِ حشر

از مصنف کتاب ہذا

دوستوں پر آپ رہ رکھتے ہیں رو کرنا ستم  
خود خوشامد سے کسی کی کب بھلا ہوتے تھے ہم  
بھائی اور بیٹے ہوں چاہے طمعہ تیغ و دودم  
اتفاقاً اختلاف ہوتا تھا اگر ہم ہیں ہم  
بے حقیقت تھا لگا ہوں میں ہماری جامِ ہم  
نام ہی اس کا بنا دے کوئی ہم کو کم سے کم  
کو نسا ہے فلسفی جس کے نہیں استا و ہم  
گر کبھی تیغ و دودم کرتے تھے ہم اپنی علم  
ہم میں تھے ایسے بہت سے صاحبِ طبل و دم  
تھے برس پہلی صدی ہجری میں شاید بیس کم  
بحر اور بریں تھا لہر اتا ہمارا ہی علم  
ان کی نظروں میں کہاں چنے لگا تھا جامِ ہم  
طالبِ نیانہ تھے جب تک کہ اس دنیا میں ہم  
ہم سے رخصت ہو گئے سب نبوی جا حشم  
پھیر لی ہم سے خدانے اپنی اشپیم کرم

جو ضروری جانتے تھے دشمنوں پر بھی کرم  
ناسزا سن کر جو ابانا سزا کہتے نہ تھے  
راستی سے اک قدم اپنا قدم ہٹانا نہ تھا  
دشمنی تک پہنچتی ہرگز نہ تھی نوبت کبھی  
تھا ہمارا بچہ بچہ صاحبِ کشف و شہود  
کون ہے کی جس نے بڑھ کر ہم سے غمتِ علم کی  
ہم میں آزی تھا غزالی اور ابنِ رشتہ تھا  
حم اطاعت کے لئے ہوتا تھا ہرگز وں فرار  
ہم میں خالد تھا صلاح الدین تھا تیمور تھا  
ساری دنیا پر تسلط کر چکے تھے ہم کہ جب  
دہر میں فتنے ہمارے نام کے بکتے رہے  
تھے جو دنیا دار ہم میں وہ بھی تھے روشن ضمیر  
بے طلب آتی تھی اور موتی تھی قدموں پر نثار  
دین کو چھوڑا ہے جب طالبِ نیانہ  
چھوڑ کر قرآن کو ہم ہو گئے خوار و ذلیل



چشم کم سے دیکھتے تھے جن کو وہ ہم چشم ہیں  
 علم و دولت کھوپکے قسمت کو اپنی روچکے  
 نامراد ہی آجکل چھائی ہوئی ہے ہر طرف  
 مفلسوں میں ہے بہت کبر و حسد کی ریل پیل  
 خدمت میں سے سوا بڑھ کر ہے مال و زر عزیز  
 ڈر ہے دل خون ہو جائیں سننے والوں کے کہیں  
 بڑھ گئے وہ آج ہم سے تھے جو کل تک ہم سے کم  
 اب جہالت اور فلاکت سے ہیں ہم آغوش ہم  
 بن گئے آماجگاہِ ذلت و ادبار ہم  
 منعموں میں کم نظر آتے ہیں ارباب ہم  
 کیا اسی ہمت پہ تو نازاں ہے اوخیر الامم  
 لے دل بنیاب بس لے دیدہ خونباز تھم

ڈر ہے اس بد سے بھی بدتر ہونہ جائے اپنا حال  
 اس زمانہ کو بھی اس پر اب سمجھیں معتمد

# سیرۃ صدیقہ

اس کتاب میں اُس مبارک ہستی کے سوانح زندگی تحریر کئے گئے ہیں جس کو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام دنیاوی نعمتوں کے مقابلہ میں اپنی ذات جامع کمالات کے لئے انتخاب فرمایا تھا یہ وہی اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ زوجہ رسول مقبول صلعم ہیں جن کی برأت کا قرآن کریم ذمہ وار بنا ہے انہیں کی محبت کے واسطے ستر اربوہ عالم شفیح الامم نے اپنی پیاری و لبند خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء کو خاص طور پر ارشاد فرمایا تھا۔ کتاب کی عبارت اردو لٹریچر کا انتہائی لطف و کھارہی ہے۔ عجزت کی سلاست، محاورات کی دلچسپی، لکھائی چھپائی کا عمدہ ہر ایک دل آویز ہے۔ واقعات کی تصویریں اس طرح کھینچی گئی ہیں کہ گویا پڑھنے والا پڑھ نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اس کتاب کے تحریر کرنے وقت ایک خاص امر یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ملک کی مہذب خواتین یا جوان لڑکیاں اگر اسے پڑھیں تو انہیں ایک فقرہ بھی ایسا نہ ملے۔ جو ان کی تہذیب کے خلاف یا جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والا ہو۔ واقعات پیدائش سے وراثت تک معہ متعلقات نہایت مکمل کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ہمارے ملک کی عورتیں اور مرد اگر مغربِ خلاق کتابوں کا مطالعہ چھوڑ کر اس قسم کی دینی کتابیں پڑھا کریں۔ تو دل بہانے کے ساتھ ساتھ مذہبی برکتیں، سعادتمندی، نیک سلیقہ اور علم بھی حاصل ہو۔ ولایتی کپڑے کی حسابد نہایت خوبصورت بندھی ہوئی ہے۔ لائبریری کی نہایت ہے۔ قیمت مجلہ ہر دوپے بلاجلہ دو روپے دس آنہ علاوہ معمولی ڈاک

ملنے کا پتہ

منیر صوفی پبلیشرز پٹی پٹی بہاولپور پنجاب

# تاریخ اسلام

اس تاریخ کی ضخامت نہ اس قدر زیادہ ہے کہ آج کل کے لوگ اس کو مطالعہ نہ کر سکیں نہ اس قدر مختصر ہے کہ کوئی ضروری چیز نہ لگتی ہو۔ پیچیدہ اور دماغ میں محفوظ نہ رکھنے والے واقعات کی اس خوبی کے ساتھ سلجھا کر لکھا گیا ہے کہ پڑھنے کے بعد انسان حیران رہ جاتا ہے اور علم و واقفیت کے حامل ہونے پر قلب و دماغ خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے۔ کوئی قابل تذکرہ واقعہ ایسا نہیں جو چھوٹا گیا ہو اور کوئی بیان ایسا نہیں جو غیر مستند ہو۔ تاریخ کو مطالعہ کرتے ہوئے کو سوال پیدا کرنے والے کے دل میں ایسا پیرا نہیں ہو سکتا جس کا جواب فوراً اُس کو نہ مل جاوے اور کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کے متعلقات حسب ضرورت بیان نہ ہو گئے ہوں۔ یہ تاریخ پختہ و پیچیدہ اور زبان میں لکھی گئی ہے۔ کسی جگہ سنجیدہ و مختصراً انداز کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا نہ کسی جگہ ناولانہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔ یہ شاعرانہ طرز استعمال ہوا ہے مگر چونکہ اسلام تاریخ ہے اور مصنف نے صحیح تاریخ کے بیان کرنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں ایسی زبردست کوشش ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی دل سیر نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ تاریخ کی خوبی صرف مطالعہ کے بعد ہی ہر شخص کو محسوس ہو سکے گی اور تمام اسلامی ممالک میں اسی تاریخ کے عربی و فارسی ترجمے لائے ہوئے پہلی اور دوسری جلد چھپ کر تیار ہیں اور اسی کے بعد دیگرے چار جلدیں شائع ہوں گی۔ پہلی جلد میں خلافت راشدہ کے آخر یعنی حضرت امام حسن کے حالات درج ہیں۔ دوسری جلد حضرت امیر معاویہ کے حالات سے شروع ہوتی ہے۔ تیسری جلد اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی۔ قیمت جلد اول بلا جلد فلکمر جلد دوم ۱۰ روپے ۱۰۰۰

قیمت جلد دوم بلا جلد تیسری ۱۰ روپے ۱۰۰۰

ملنے کا پتہ

منجھوٹی کینیٹی سٹیٹ پبلسٹی ہاؤس لیمٹڈ پنجاب



سلسلہ مطبوعاتِ صوفیہ نمبر ۲

# نزد آواز

مُصَنَّف

مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

راشد مجاہد حقوق

صوفی بزرگ پندرہویں صدی ہجری

پندرہویں صدی ہجری خاں صاحب کے لئے

مولانا محمد الدین صاحب منجھنگ اور کراچی

پیشو عام پریس لاہور

پیشو اکبر شاہی کراچی

پیشو اکبر شاہی کراچی

(باہتمام پروفیسری محمد الدین خاں پشاور)